9 سیر دوسرے درویش کی



(میر امّن دہلوی)
(۱۷۴۸ء۔۱۸۰۶ء)

مصنف کا تعارف

میر امّن کا اصل نام میر امان اور امّن تخلص تھا۔ وہ میر امّن کے نام سے مشہور ہوئے۔ وہ 1748ء (کم و بیش) میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان مغلیہ دربار سے وابستہ تھا اور منصب داری کے اعزاز سے سرفراز رہا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال اور بیرونی حملوں کے باعث ان کے خاندان کو شدید معاشی اور سماجی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

میر امّن دہلوی کو فارسی اور عربی زبان و ادب پر گہری دسترس حاصل تھی۔ دہلی کی تہذیبی فضا اور درباری ماحول نے ان کے ذوقِ زبان کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ سیاسی ابتری کے نتیجے میں دہلی کا امن و سکون تباہ ہو گیا تو وہ پہلے عظیم آباد (پٹنہ) اور بعد ازاں روزگار کی تلاش میں کلکتہ چلے گئے۔

کلکتہ میں ان کی ملاقات جان گلکرسٹ سے ہوئی جو فورٹ ولیم کالج کے سربراہ تھے۔ گلکرسٹ نے انھیں 1801ء میں فورٹ ولیم کالج کے شعبۂ تصنیف و تالیف میں منشی مقرر کیا۔ اسی دوران میں انھوں نے وہ کارنامہ انجام دیا جس نے انھیں اردو ادب میں ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا۔

میر امّن کی اصل شناخت داستان گو اور مترجم کی حیثیت سے ہے، مگر ان کی نثری خدمات نے اردو زبان کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ ان کی سب سے اہم اور شہرۂ آفاق تصنیف ''باغ و بہار'' ہے، جو دراصل فارسی داستان قصۂ چہار درویش کا اردو ترجمہ ہے۔ باغ و بہار کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی سلیس، رواں اور زندہ نثر ہے۔ مکالموں کی فطری ترتیب، کرداروں کی زبان، محاورات کا برجستہ استعمال اور قصہ گوئی کی دل کشی اسے اردو نثر کا سنگِ میل بنا دیتی ہے۔

''گنجِ خوبی'' ان کی دوسری اہم کتاب ہے جو ملّا حسین واعظ کاشفی کی کتاب ''اخلاقِ محسنی'' کا ترجمہ ہے، تاہم اسے ''باغ و بہار'' جیسی مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔

فورٹ ولیم کالج سے تقریباً پانچ برس وابستگی کے بعد میر امّن نے ملازمت ترک کر دی۔ ان کی بعد کی زندگی کے حالات واضح طور پر معلوم نہیں، تاہم قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے اور 1806ء کے آس پاس وفات پا گئے۔

تدریسی مقاصد:

- ☆ داستان کی تعریف، خصوصیات اور اردو ادب میں اس کی روایت کو سمجھنا
- ☆ میر امّن دہلوی کی زندگی، ادبی خدمات اور ان کے نثری اسلوب سے واقفیت حاصل کرنا
- ☆ باغ و بہار کے زیرِ مطالعہ منتخب حصے کا مفہوم، واقعات اور کرداروں کو بیان کرنا
- ☆ سبق میں پوشیدہ اخلاقی درس اور معاشرتی اقدار سے روشناس ہونا
- ☆ داستان کے اہم کرداروں اور ان کی امتیازی خصوصیات کا تجزیہ پیش کرنا

مشکل الفاظ کے معانی

نمبر (64) نوبت پہنچنا: (باری آنا، وقت آجانا)، چارزانوں ہو کر بیٹھنا: (آلتی پالتی مار کر بیٹھنا، یعنی دونوں پیروں کو موڑ کر بیٹھنے کا خاص انداز)، ٹک: (ذرا، تھوڑا سا)، ماجرا: (قصہ، کہانی، حال)، ابتدا: (آغاز، شروعات)، انتہا: (آخر، انجام، حد)، نِپٹ: (بالکل، نہایت، بہت زیادہ)، لادوا: (جس کا کوئی علاج نہ ہو، لاعلاج)، دَلِق پوش: (پرانے یا پھٹے ہوئے کپڑے پہننے والا، فقیر یا درویش)، فارس: (قدیم ایران کا نام) ہفت اقلیم: (پرانے جغرافیہ کے مطابق دنیا کے سات خطے یا سات بڑے اعظم)، ولایت:

(ملک، علاقہ)، کواکب: (ستارے، کوکب کی جمع)، نیر اعظم: (سب سے بڑا روشن ستارہ، مراد سورج)، روشن طبع: (ذہین، خوش مزاج، صاف ذہن رکھنے والا)، صاحبِ سلیقہ: (قرینے والا، تمیز دار، مہذب)، قبلہ گاہ: (والد، تعظیم کے لیے استعمال ہونے والا لفظ)، اتالیقی: (استاد مقرر کرنا، تربیت کا انتظام کرنا)، کسب: (ہنر، پیشہ، کام)، کامل: (مکمل، ماہر)، معقول: (مناسب، عمدہ)، نشست و برخاست: (محفل میں اٹھنے بیٹھنے کے آداب، طور طریقہ)، اولوالعزم: (بلند ہمت، بڑے حوصلے والے، مستقل مزاج)، نام آور: (مشہور، نامی گرامی)، عاجز: (خاکسار، بے بس)، تربیت: (کسی چیز کو سنوارنا، سکھانا)، آمادہ: (تیار ہونا)، مصاحب: (بادشاہ یا کسی اہم شخصیت کا خاص ساتھی یا درباری)، دانا: (سمجھ دار، عقل مند)، جہاں دیدہ: (دنیا دیکھنے والا، تجربہ کار، جس نے زندگی میں بہت کچھ دیکھا ہو)، مذکور کیا: (ذکر کیا، بات چھیڑی، بات بتائی)، بھروسا: (اعتبار، یقین، امید)

نمبر 65 وصف: (خوبی، اچھی صفت)، قیامت تک: (ہمیشہ تک، جب تک دنیا قائم ہے)، بخوبی: (اچھی طرح، عمدگی سے)، احوال: (حال کی جمع، حالات، کیفیت)، مفصل: (تفصیل کے ساتھ، کھول کر)، حاتم طائی: (عرب کا مشہور سخی اور فیاض جو سخاوت میں ضرب المثل ہے)، ماجرا: (کہانی، واقعہ، قصہ)، نوفل: (اس کہانی میں مذکور ایک عرب بادشاہ کا نام)، نام آوری: (شہرت، مشہور ہونا)، دشمنی کمال ہونا: (بہت زیادہ دشمنی ہونا)، لشکر: (فوج)، خدا ترس: (رحم دل، خدا سے ڈرنے والا، نیک)، خوں ریزی: (قتل و غارت، بہت زیادہ خون بہانا)، عذاب: (سزا، گناہ کا وبال)، تن تنہا: (بالکل اکیلا)، کھوہ: (غار، پہاڑ کا سوراخ یا دراڑ)، قرق کیا: (قبضے میں کر لیا، ضبط کر لیا، سرکاری ملکیت بنا لیا)، منادی کروادی: (اعلان کروا دیا، پکار کر لوگوں کو بتا دیا)، سرکار: (بادشاہ کا دربار یا حکومت)، انعام: (صلہ، تحفہ، جزا)، جستجو: (تلاش، ڈھونڈھنا)، پوشیدہ: (چھپا ہوا، اوجھل)، طالع: (قسمت، نصیب، بخت)، اشرفی: (سونے کا سکہ، پرانے زمانے کی ایک مشہور کرنسی)، دکھ دھندے: (مصیبتیں، مشکلات، پریشانیاں، مشقت والے کام)، میسر: (حاصل، دستیاب، مل جانے والی چیز)، لون روٹی: (روٹی، کھانا، روزی، گزر بسر کا سامان)، باگھ: (شیر، درندہ)، ٹھنڈی سانس بھرنا: (افسوس کرنا، بے بسی کا اظہار کرنا، آہ بھرنا)، چپکی ہو رہی: (خاموش ہو گئی، کچھ نہ بولی)، مردمی: (انسانیت، انسانی ہمدردی، مروت، شریفانہ رویہ)، مروّت: (لحاظ کرنا، پاسداری، اخلاقی نرمی، شرافت)، بعید: (دور، خلاف، یہاں مراد ہے کہ یہ کام شرافت سے بہت دور یا نامناسب ہے)، اپنے تئیں: (اپنے آپ کو)، بے چاروں: (مجبور لوگ، بے بس افراد)، مطلب تک نہ پہنچائے: (اپنی ضرورت یا مقصد پورا نہ کرنے دینا)، قصائی: (جانور ذبح کرنے والا، یہاں مراد سنگ دل اور بے رحم شخص ہے)، طاعت: (اللہ کی عبادت و بندگی، یہاں فرشتوں کی مسلسل عبادت کی طرف اشارہ ہے)، کرّوبیاں: (اللہ کے مقرب فرشتے جو ہر وقت عبادت میں مصروف رہتے ہیں)، غرض: (خلاصہ یہ کہ، مختصر یہ کہ، مطلب، بات کا نچوڑ)، جواں مردی: (بہادری، دلیری، عالی ظرفی، سخاوت)، چپکا ہو رہنا: (خاموش بیٹھے رہنا، کوئی ردِعمل نہ دینا)، اقرار: (وعدہ کرنا، عہد لینا)، پیر مرد: (بوڑھا آدمی)، بہبودی: (بھلائی، خیر، فلاح)، سلوک: (برتاؤ، رویہ)، طمع: (لالچ، حرص، دنیوی مفاد)، بہتیری: (بہت زیادہ، کافی)، منت: (التجا کرنا، گزارش کرنا)

نمبر 66 لاچار: (مجبور، بے بس)، آپ سے آپ: (خود بخود، اپنی مرضی سے)، ردوبدل: (یہاں مراد بحث و تکرار یا بات چیت ہے)، تُرت: (فوراً، جلدی سے)، روبہ رو: (سامنے، بالمقابل)، بدذات: (کمینہ، بُرے کردار والا)، سنگ دل: (بے رحم، ظالم)، ڈینگ مارنا: (شیخی بگھارنا، جھوٹی تعریفیں کرنا، بڑھ چڑھ کر باتیں کرنا)، قرار: (طے شدہ معاہدہ یا شرط)، لالچ: (ہوس، حرص)، شیخیاں: (اپنی تعریفیں، لمبی چوڑی باتیں، ڈینگیں)، خاطر: (لیے، واسطے، ہمدردی میں)، دلاوری: (بہادری، دلیری، شجاعت)، مردانگی: (بہادری، غیرت، انسانیت کا اعلیٰ معیار)، قیافہ: (شکل و صورت دیکھ کر حالات کا اندازہ لگانا، چہرہ شناسی، اندازہ)، دریافت کرنا: (معلوم کرنا، پوچھ گچھ کرنا)، قول: (وعدہ، عہد، بات)، ڈیل: (جسم، بدن، جسامت)، زبان حلال ہونا: (زبان کا سچا ہونا، بات کا پکا ہونا، قول کو پورا کرنا)، تفاوت: (فرق، امتیاز، دوری)، آشکار کرنا: (ظاہر کرنا، عیاں کرنا، کھول کر بیان کرنا)، استدلال: (دلیل لانا، دلیل پیش کرنا)، پاسداری: (لحاظ کرنا، پاس رکھنا، وعدے کو نبھانا)، وعدہ خلافی: (عہد شکنی، بات سے پھر

جانا)، بلند ظرفی: (حوصلہ مندی، اعلیٰ سوچ، بڑا پن)، اعلامیہ: (اعلان، بیان)، افادیت: (فائدہ مند ہونا، کارآمد ہونا)، گامزن رہنا: (چلتے رہنا، کسی راستے پر ثابت قدم رہنا)، شیوہ: (طریقہ، عادت، خاصہ)، اشرف المخلوقات: (مخلوقات میں سب سے اعلیٰ، انسان)، لکڑہارا: (لکڑیاں کاٹنے والا)، متعجب: (حیران، حیرت زدہ)، سخاوت: (دریادلی، فیاضی)، دعویٰ: (کسی چیز کا حق دار ہونے کا اعلان کرنا یا بات پر اصرار کرنا)، ٹنڈیاں کسنا: (یہ ایک محاورہ ہے جس کا مطلب ہے ہاتھی یا گھوڑے کے پاؤں کی رسیوں کو مضبوطی سے باندھنا، یہاں مراد قیدیوں کو سخت باندھنا ہے)، تڑتڑ پیزاریں پڑنا: (پے در پے جوتے پڑنا، پیزار فارسی میں جوتے کو کہتے ہیں)، چسکا: (کسی بری چیز کی عادت یا لت پڑ جانا)، بکے جانا: (بے سوچے سمجھے بولتے رہنا یا بڑبڑانا)، آزمائش: (امتحان، پرکھ کا وقت)، غرض: (مطلب، مقصد، ارادہ)، موافق: (مطابق، حسبِ حال، مناسب)، دریغ کرنا: (پرہیز کرنا، کترانا، پیچھے ہٹنا)، سرتاپا: (سر سے پاؤں تک، مکمل طور پر، ہر طرح سے)، مدعی: (دشمن، دعویٰ کرنے والا، مخالف) بعید: (دور، ناممکن، خلاف)، وہ نہیں (وہیں)، (اسی وقت، فوراً)، گرم جوشی: (خلوص، ولولہ، جوش و خروش سے استقبال کرنا)، تواضع: (انکسار، عاجزی، یہاں مراد ہے عزت و تکریم کرنا)، املاک: (ملکیت، جائیدادیں، زمینیں، ملک کی جمع)، ضبط کرنا: (قبضے میں لینا)، نئے سرے سے: (دوبارہ، ازسرِنو)، ماجرا: (واقعہ، قصہ، کہانی، حال)، غیرت: (حمیت، عزتِ نفس، احساسِ خودداری، شرم)، رئیس: (سردار، بڑا آدمی، سربراہ)، سخاوت: (فیاضی، دریادلی، کھلے دل سے خرچ کرنا)، داد و دہش: (بخشش و عطا، سخاوت، غریبوں کی مدد کرنا)، عوض: (بدلہ، معاوضہ، جزا)، عاقبت: (آخرت، انجام، مرنے کے بعد کی زندگی)

نمبر 67 میرِ عمارت: (عمارتیں تعمیر کروانے والا افسر، محکمہ تعمیرات کا نگران)، عالی شان: (شان دار، بہت بڑی، عالی رتبہ)، کشادہ: (وسیع، کھلا)، بے کس: (لاچار، بے بس، جن کا کوئی سہارا نہ ہو)، مالا مال: (دولت مند، بھرپور، سیراب)، حاجت مند: (ضرورت مند، جسے کسی چیز کی ضرورت ہو، سائل)، درگزر کرنا: (نظر انداز کر دینا، معاف کر دینا، خطا کو دیکھ کر انجان بن جانا)، انجان: (ناواقف، لاعلم، یہاں مراد ہے کہ جان بوجھ کر ظاہر کرنا کہ میں نہیں جانتا)، دلوا دینا: (عطا کر دینا، دے دینا)، گھس آنا: (داخل ہو جانا، زبردستی یا بغیر اجازت آ جانا)، برا معلوم ہونا: (ناگوار گزرنا، برا لگنا، طبیعت پر گراں گزرنا)، فقر: (درویشی، اللہ کی راہ میں دنیا سے بے نیازی، فقیری)، فاقہ: (بھوک، فاقہ کشی، کھانے کو کچھ نہ ہونا)، قناعت: (تھوڑے پر راضی رہنا، توکل، کفایت شعاری)، ریاضت: (محنت، عبادت، نفس کو قابو میں کرنے کی مشق)، احتیاج: (ضرورت، حاجت مندی، محتاج ہونا)، رفع کرنا: (دور کرنا، ختم کرنا)، حریص: (لالچی، بہت زیادہ حرص کرنے والا، طمع رکھنے والا)، ریوڑی کے پھیر: (ایک محاورہ ہے جس کا مطلب ہے بے فائدہ چکر لگانا یا اِدھر اُدھر مارے مارے پھرنا، جس طرح ریوڑی گول ہونے کی وجہ سے لڑھکتی پھرتی ہے، مراد: پریشانی سے چھٹکارا مشکل ہے)، حرص: (لالچ، ہوس، کسی چیز کو حاصل کرنے کی شدید خواہش)، رزاق: (رزق دینے والا، اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام)، مرشد: (پیر، پیشوا، رہبر، راستہ دکھانے والا)، شعار: (عادت، طور طریقہ، کام کرنے کا معمول)، توشہ: (راستہ کا سامان، زادِ راہ)، خفا: (ناراض، خمگین)، بددماغ: (مغرور، جس کے دماغ میں غرور ہو، چڑچڑا)، کائنات: (پوری دنیا، یہاں مراد شہزادے کی کل دولت اور اثاثہ ہے)، سخاوت: (دریادلی، فیاضی، مال خرچ کرنے کا جذبہ)، دِلی دور ہے: (یہ ایک مشہور ضرب المثل ہے جس کا مطلب ہے کہ مقصد کا حصول ابھی بہت مشکل اور دور ہے، ابھی بہت محنت باقی ہے)، سمائی: (وسعتِ قلبی، دل کا کشادہ ہونا، برداشت کرنا)، خوفِ الٰہی: (اللہ کا ڈر)، پیدائش اور مرنے کو یاد رکھنا: (اپنی حقیقت اور فانی ہونے کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا)، تقصیر: (غلطی، قصور، جرم)، بادشاہت: (بادشاہ ہونے کا رتبہ یا حکومت)، بے نیاز: (جسے کسی چیز کی پروا نہ ہو، جو بے پروا ہو)، گوارا نہیں کروں گا: (پسند نہیں کروں گا، قبول نہیں کروں گا)

توضیحات

1۔ دلق پوش: اس سے مراد وہ شخص ہے جو دلق یعنی موٹے، پرانے، پھٹے ہوئے اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے ہو۔ یہ اصطلاح عموماً صوفیاء فقیروں اور ان درویشوں کے لیے استعمال ہوتی ہے جو دنیاوی نمود و نمائش، زیب و زینت اور

عیش و آرام سے قطع تعلق کر چکے ہوں۔ ایسے لوگ اپنی ظاہری حالت کے برعکس باطنی طور پر بہت بلند مقام رکھتے ہیں اور دنیا کی رنگینیوں کو اہمیت نہیں دیتے۔

2۔ بادشاہ زادہ: اس کا مطلب بادشاہ کا بیٹا یعنی شہزادہ ہے۔ داستانوی ادب میں یہ کردار اکثر مرکزی حیثیت رکھتا ہے جو حصولِ مقصد، تخت و تاج کی تلاش یا مہم جوئی کے لیے سفر پر نکلتا ہے۔ اسے شاہی آداب اور جنگی مہارتوں میں ماہر دکھایا جاتا ہے، جس کی زندگی کا سفر اکثر چیلنجوں، محبتوں اور آزمائشوں سے عبارت ہوتا ہے۔

3۔ مصاحبِ دانا: بادشاہ کے خاص اور قابلِ اعتماد مشیر کو مصاحب کہتے ہیں اور دانا ہونے کا مطلب ہے کہ وہ عقل، بصیرت اور تجربہ رکھتا ہے۔ ایسا شخص مشکل ترین حالات میں بادشاہ کو درست، متوازن اور حکمت پر مبنی فیصلے کرنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ کردار اکثر بادشاہ کو جذباتی فیصلوں سے روک کر ملک و قوم کے وسیع تر مفاد میں مشورے دیتا ہے۔

4۔ فارس: یہ قدیم ایران کا تاریخی نام ہے جو اپنی تہذیب، ثقافت، شان دار تاریخ اور ادبی روایت کے لیے دنیا بھر میں مشہور رہا ہے۔ تاریخی اور کلاسیکی اردو ادب میں فارس کو ایک ایسی عظیم الشان سلطنت اور مرکزِ علم و فن کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جہاں شاہی شان و شوکت اور حکمت کے نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔

5۔ اصفہان: یہ ایران کا ایک انتہائی قدیم، تاریخی اور خوب صورت شہر ہے جسے اپنی فنِ تعمیر، مساجد، باغات اور علمی و ادبی اہمیت کے باعث نصف جہان بھی کہا جاتا ہے۔ داستانوں میں اس شہر کا ذکر اکثر کسی خاص واقعے، تجارتی قافلوں کے مرکز یا ہیرو کے سفر کی منزل کے طور پر کیا جاتا ہے جو اپنی ثقافتی فضا کے لیے مشہور ہے۔

6۔ ہفت اقلیم: قدیم جغرافیہ دانوں کے مطابق زمین کو سات حصوں یا خطوں میں تقسیم کیا گیا تھا، جنھیں ہفت اقلیم کہا جاتا ہے۔ یہ تصور اس زمانے کی پوری دنیا یا معلوم کائنات کی وسعت کو ظاہر کرتا ہے۔ ادبی زبان میں جب کسی حکمران کو صاحبِ ہفت اقلیم کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ پوری دنیا کا بادشاہ یا وسیع رقبے پر حکمرانی کرنے والا ہے۔

7۔ ولایت: اس لفظ کے بنیادی معنی کسی ملک، علاقہ، سلطنت یا کسی کی حکمرانی میں آنے والی زمین کے ہیں۔ بعض اوقات یہ لفظ کسی خاص خطے یا بزرگوں کی پہنچ والی جگہ (مقامِ روحانیت) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ داستانوں میں یہ کسی دور دراز علاقے یا سفر کی منزل کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

8۔ کواکب: یہ کوکب کی جمع ہے جس کے معنی ستارے کے ہیں۔ قدیم زمانے میں ستاروں کا علم (علمِ نجوم) بہت اہمیت رکھتا تھا، اس لیے داستانوی ادب میں کواکب کا ذکر اکثر تقدیر، زائچہ دیکھنے، مستقبل کے حالات معلوم کرنے یا رات کے وقت سفر میں سمتوں کی رہنمائی کے لیے کیا جاتا ہے۔

9۔ نیرِ اعظم: اس کے لفظی معنی ''سب سے بڑا نور'' کے ہیں اور یہ سورج کے لیے ایک عالی شان تشبیہی نام ہے۔ ادب میں اس کا استعمال نہ صرف سورج کی روشنی اور حرارت کو ظاہر کرنے کے لیے ہوتا ہے بلکہ یہ بادشاہ کی ہیبت، عظمت، شان و شوکت اور حقیقت کے اظہار کے لیے بھی بطور استعارہ استعمال کیا جاتا ہے۔

10۔ اتالیق/اتالیقی: شاہی گھرانوں میں شہزادوں کو تعلیم، اخلاقیات، جنگی مہارت اور حکمرانی کے آداب سکھانے کے لیے مقرر کردہ استاد کو اتالیق کہا جاتا ہے۔ اتالیقی سے مراد وہ تربیتی نظام یا عمل ہے جس کے ذریعے ایک عام لڑکے کو ایک کامیاب اور عادل حکمران بنانے کے لیے مسلسل نگرانی اور تربیت دی جاتی ہے۔

11۔ نشست و برخاست: اس کا مطلب اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ، آدابِ محفل اور گفت گو کا انداز ہے۔ یہ انسان کے تہذیب یافتہ، خوش اخلاق اور سلیقہ مند ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ کسی کردار کی نشست و برخاست سے ہی اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اس کی تربیت کس ماحول میں ہوئی ہے اور وہ کتنا شائستہ ہے۔

12۔ تواریخ دان: وہ شخص جو تاریخ کا گہرا، وسیع اور تحقیقی علم رکھتا ہو اور ماضی کے واقعات، جنگوں، حکمرانوں اور تہذیبوں کے عروج

وزوال سے آگاہ ہو۔ داستانوں میں یہ کردار اکثر بادشاہ کے دربار میں موجود ہوتا ہے جو اسے گزشتہ حکمرانوں کے تجربات سے آگاہ کر کے دوراندیشی اور عبرت کے اسباق دیتا ہے۔

13۔ جہاں دیدہ: وہ شخص جس نے بہت زیادہ سفر کیے ہوں اور دنیا کے نشیب و فراز، مختلف ثقافتوں اور لوگوں کے رویوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ ایسے لوگ تجربے کی بنا پر مشکل وقت میں بہترین اور عملی مشورہ دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کا علم کتابوں سے زیادہ زندگی کے تلخ و شیریں تجربات سے حاصل ہوتا ہے۔

14۔ حاتم طائی: عرب کا ایک مشہور سردار جو اپنی غیر معمولی سخاوت، دریا دلی اور مہمان نوازی کے لیے پوری دنیا میں ضرب المثل ہے۔ ان کا نام سنتے ہی ذہن میں ضرورت مندوں کی مدد، بے لوث دینے اور کسی کی خاطر اپنی جان تک خطرے میں ڈالنے کا تصور ابھرتا ہے۔ ان کی سخاوت و ایثار کے بہت سے قصے مشہور ہیں۔

15۔ نوفل: یہ عرب کے ایک طاقت ور اور بااثر سردار کا نام ہے جس کا ذکر حاتم طائی کے قصوں میں کثرت سے ملتا ہے۔ یہ کردار اکثر اپنے رعب و دبدبے، دولت اور حاتم کی سخاوت کے ساتھ وابستہ واقعات کی وجہ سے کہانی کا اہم حصہ بنتا ہے جو حاتم کی شخصیت کو مزید نمایاں کرتا ہے۔

16۔ لشکر: سپاہیوں کے ایک بہت بڑے گروہ، فوجی دستے یا عسکری تنظیم کو لشکر کہا جاتا ہے۔ داستانوں میں لشکر کا ذکر مہمات، فتوحات، کسی دشمن کے خلاف دفاع یا کسی بڑی جنگ کے سیاق و سباق میں کیا جاتا ہے، جہاں لشکر کی ترتیب اور قوت سے سلطنت کی طاقت کا اندازہ ہوتا ہے۔

17۔ باگھ: اس لفظ سے مراد اکثر شیر یا شکاری جانور لیا جاتا ہے، جو اپنی طاقت، درندگی اور بہادری کے لیے مشہور ہے۔ شیر کی نسل کا لیکن قد و قامت میں شیر سے چھوٹا خونخوار درندہ ہے۔ کچھ تاریخی سیاق و سباق میں اسے شیر کے معنوں میں بھی لیا گیا ہے۔ ادب میں یہ لفظ عموماً کسی کردار کی بے پناہ جسمانی قوت یا جنگجوئی کی علامت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

18۔ کروبیاں: یہ فرشتوں کا ایک خاص اور مقرب گروہ ہے۔ انھیں خدا کے انتہائی قریب اور عرش کے اردگرد رہنے والے مانا جاتا ہے۔ ادب میں ان کا ذکر روحانی بلندیوں، پاکیزگی، نورانیت اور اللہ کی عبادت میں ہمہ وقت مشغول رہنے والی مخلوق کے طور پر کیا جاتا ہے۔

19۔ عرش پر جھنڈے گاڑنا: یہ ایک مشہور محاورہ ہے جس کا مطلب بہت بڑی اور غیر معمولی کامیابی حاصل کرنا یا ایسی شہرت پانا ہے جو بلندیوں کو چھو لے۔ یہ کسی بڑے معرکے، علمی کارنامے یا جدوجہد کے بعد کی ایسی صورتِ حال کو ظاہر کرتا ہے جہاں انسان کا نام تاریخ میں ہمیشہ کے لیے امر ہو جاتا ہے۔

20۔ ڈینگ مارنا: اس کا مطلب جھوٹی شیخی بگھارنا، اپنی تعریف خود کرنا یا اپنی صلاحیتوں کو مبالغہ آرائی کے ساتھ بیان کرنا ہے۔ یہ اصطلاح اکثر ان کرداروں کے لیے استعمال ہوتی ہے جو عملی طور پر کچھ نہیں کرتے لیکن اپنی زبان سے خود کو بہت بہادر، امیر یا عقلمند ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

21۔ قیافہ پہچاننا: کسی کے چہرے کے نقوش، آنکھوں کی چمک یا حرکات و سکنات کو غور سے دیکھ کر اس کی اصلیت، اندرونی کیفیات یا مستقبل کے ارادے بھانپ لینے کے عمل کو قیافہ شناسی کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی خاص مہارت ہے جو صرف تیز نظر اور عقل مند کرداروں میں ہی پائی جاتی ہے۔

22۔ پیزاریں پڑنا: یہ ایک محاورہ ہے جس کا مطلب جوتے پڑنا یعنی سخت ذلت، رسوائی یا شرمندگی کا سامنا کرنا ہے۔ کہانیوں میں جب کوئی کردار اپنی حماقت یا برے فعل کی وجہ سے لوگوں کے سامنے ذلیل ہوتا ہے تو اس کے انجام کو بیان کرنے کے لیے یہ اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

23۔ قبیلہ طے: یہ عرب کا وہ معروف اور معزز قبیلہ ہے جس سے حاتم طائی کا تعلق تھا۔ یہ قبیلہ اپنی مہمان نوازی، فیاضی اور بہادری

کے لیے تاریخی طور پر مشہور رہا ہے، جس کی روایات نے عرب کی تمدنی تاریخ میں ایک منفرد مقام حاصل کیا ہے اور یہ آج بھی سخاوت کی پہچان بنا ہوا ہے۔

24۔ داد و دہش: اس کے معنی سخاوت کرنا، عطا کرنا، فیاضی دکھانا اور ضرورت مندوں میں مال و دولت تقسیم کرنا ہیں۔ یہ ایک سخی اور رحم دل انسان کی سب سے بڑی پہچان ہے جو اپنی دولت کو دوسروں کی بھلائی کے لیے استعمال کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے اور کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔

25۔ رئیس: اس سے مراد سردار، کسی علاقے کا بااثر معزز شخص یا امیر آدمی ہے۔ یہ ایک ایسا کردار ہے جو معاشرے میں خاص مقام رکھتا ہو، لوگ اس کی عزت کرتے ہوں اور اس کے پاس اپنے علاقے کے لوگوں کے مسائل حل کرنے یا فیصلے کرنے کی سماجی طاقت موجود ہو۔

26۔ عاقبت: اس کا مطلب انجام، آخرت یا زندگی کا آخری نتیجہ ہے۔ کہانیوں اور اخلاقی حکایات میں اس لفظ کا استعمال کرداروں کو نیک کام کرنے اور برائی سے بچنے کی ترغیب دینے کے لیے کیا جاتا ہے کہ دنیا عارضی ہے اور انسان کو اپنے کیے کا جواب اللہ کے حضور دینا ہے۔

27۔ میرِ عمارت: وہ سرکاری عہدیدار جو سلطنت میں تعمیراتی کاموں کا نگران ہو، جیسے قلعے، شاہی محل، مساجد اور پلوں کی تعمیر کی دیکھ بھال کرنے والا۔ یہ ایک بہت ذمہ دارانہ سرکاری عہدہ تھا، جس کے لیے انجینئرنگ اور آرکیٹیکچر کا علم رکھنے والے ماہر شخص کو ہی منتخب کیا جاتا تھا۔

28۔ درویش: وہ شخص جس نے دنیا کی محبت، مال و دولت اور خواہشات کو خیر باد کہہ کر اپنا تعلق صرف اللہ سے جوڑ لیا ہو۔ یہ کردار اکثر کہانیوں میں بادشاہوں کے پاس آ کر انھیں روحانی سکون دینے، حق کی بات اور سچائی کی راہ دکھانے کا کام کرتے ہیں۔ یہ دنیاوی لالچ سے پاک ہوتے ہیں۔

سبق کا خلاصہ

یہ عاجز فارس کے بادشاہ کا بیٹا ہے، جہاں کا ستارہ آفتاب کی مانند ہے اور آب و ہوا انتہائی خوش گوار ہے۔ میری پرورش نہایت عمدہ انداز میں ہوئی اور میں نے لڑکپن میں ہی تمام علوم و فنون میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ جب میں چودہ برس کا ہوا تو میں گفت گو، نشست و برخاست اور سلطنت کے تمام آداب سے واقف ہو چکا تھا۔ مجھے ہمیشہ سے ان لوگوں کی صحبت پسند تھی جو تاریخ اور اولوالعزم بادشاہوں کے قصے سناتے۔ ایک بار ایک دانا مصاحب نے مجھے حاتم طائی کا واقعہ سنایا کہ کس طرح حاتم نے ایک غریب لکڑہارے کی مدد کی خاطر اپنی جان تک خطرے میں ڈال دی تھی۔ حاتم کی یہ جواں مردی دیکھ کر نوفل بادشاہ بھی اس کا معترف ہو گیا اور اس کا تمام مال و اسباب واپس کر دیا۔ اس واقعے نے میرے دل پر گہرا اثر ڈالا اور مجھ میں بھی ویسا ہی سخی بننے کا جذبہ بیدار ہوا کیوں کہ میں بھی اپنے ملک کا رئیس تھا اور چاہتا تھا کہ دنیا میں میرا نام بھی سخاوت کی وجہ سے قیامت تک زندہ رہے۔

اس جذباتی فیصلے کے تحت میں نے شہر کے باہر چالیس دروازوں والی ایک عالی شان عمارت بنوائی جہاں سے میں ہر وقت حاجت مندوں کو روپے اور اشرفیاں دیا کرتا تھا۔ میرا معمول تھا کہ صبح سے شام تک جو بھی سائل آتا، میں اسے مالا مال کر دیتا۔ ایک دن ایک فقیر پہلے دروازے سے آیا اور ایک اشرفی مانگی، میں نے اسے دے دی۔ پھر وہی فقیر دوسرے دروازے سے آیا اور دو اشرفیاں طلب کیں۔ اس طرح وہ چالیسویں دروازے تک پہنچ کر مجموعی طور پر اشرفیاں لیتا گیا اور میں ہر بار اسے خاموشی سے عطا کرتا رہا۔ لیکن جب وہی فقیر دوبارہ پہلے دروازے پر آ دھمکا اور مجھ سے سوال کیا تو میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں نے اسے سخت لہجے میں ٹوکا کہ اے لالچی فقیر! تو کیسا فقیر ہے جسے فقر کے تینوں حروف یعنی فاقہ، قناعت اور ریاضت کا بھی علم نہیں۔ میں نے اسے تلقین کی کہ خیرات تو احتیاج دور کرنے کے لیے ہوتی ہے نہ کہ مال جمع کرنے کے لیے، لہٰذا اب صبر و قناعت کو اپناؤ۔

میری یہ باتیں سن کر وہ فقیر سخت برہم ہوا اور اس نے تمام اشرفیاں زمین پر پھینک دیں اور بولا کہ بابا! اتنا گرم مت ہو۔ سخی ہونا بہت مشکل کام ہے اور سخاوت کا بوجھ اٹھانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں، تم اس منزل تک پہنچنے سے ابھی بہت دور ہو۔ اس فقیر نے مجھے سخی کے تین حروف کا حقیقی مطلب سمجھایا کہ ''س'' سے مراد سمائی، ''خ'' سے خوفِ الٰہی اور ''ی'' سے اپنی پیدائش اور موت کو ہر وقت یاد رکھنا ہے۔ اس نے کہا کہ جب تک انسان میں یہ صفات نہ ہوں، اسے سخاوت کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیے۔ اس فقیر نے بصرے کی ایک بادشاہ زادی کا ذکر کیا اور اسے دنیا کی سب سے بڑی سخی قرار دیتے ہوئے کہا کہ اصل سخاوت کا جامہ خدا نے اسی عورت پر قطع کیا ہے، باقی لوگ تو صرف نام چاہتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور میری تمام منت سماجت اور قسموں کے باوجود اس نے میری طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھا، اس نے یہ تک کہہ دیا کہ اب اگر تم ساری بادشاہت بھی مجھے دے دو تو میں اس کی پروا نہیں کرتا۔

اس واقعے کے بعد مجھے اپنی کم مائیگی کا احساس ہوا اور میں نے جان لیا کہ میری سخاوت تو محض ایک نمود و نمائش تھی جب کہ حقیقی سخاوت میں تواضع اور بے لوث جذبہ شامل ہوتا ہے۔ اس دن کے بعد سے میں نے اپنا تخت و تاج اور تمام آسائشیں چھوڑ دیں اور بصرے کی اس بادشاہ زادی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تا کہ اس سے سخاوت کا حقیقی سبق سیکھ سکوں۔ تب سے میں فقیرانہ لباس میں در بدر مارا مارا پھر رہا ہوں اور میری زندگی کا واحد مقصد اب اسی سخی خاتون تک پہنچنا ہے۔ اسی جستجو اور آوارگی کے عالم میں، میں اپنا سب کچھ گنوا بیٹھا ہوں اور آج آپ لوگوں کے سامنے اپنی یہ داستانِ غم بیان کر رہا ہوں کیوں کہ مجھے یقین ہے کہ اصل سخاوت اسی بصرے کی بادشاہ زادی میں ہے نہ کہ میری اس ظاہری سخاوت میں۔

مرکزی خیال

حقیقی سخاوت محض دولت لٹانے کا نام نہیں بلکہ اس کے لیے اعلیٰ ظرفی، بے لوث جذبہ اور اللہ کا خوف ضروری ہے۔ بادشاہ زادے کا قصہ واضح کرتا ہے کہ نمود و نمائش کی سخاوت عارضی ہوتی ہے جب کہ اصل سخاوت صبر، قناعت اور فقر کے اعلیٰ روحانی درجات کی متقاضی ہے۔ انسان کو اپنی انا اور تکبر کو ختم کر کے حقیقی انسانی ہمدردی کا سبق سیکھنا چاہیے۔

اہم عبارات کی تشریح

نوٹ: (جو طلبہ ہر عبارت کا الگ الگ سیاق و سباق نہیں لکھ سکتے، وہ اس سبق کی کسی بھی عبارت کی تشریح سے قبل درج ذیل اجمالی سیاق و سباق لکھ سکتے ہیں۔)

اجمالی سیاق و سباق

مصنف بتاتے ہیں کہ ایک دانا مصاحب نے فارس کے شہزادے کو حاتم طائی کی لازوال سخاوت کا قصہ سنایا، جس سے متاثر ہو کر انھوں نے بھی اپنی فیاضی کے چرچے عام کرنے کا ارادہ کیا۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے ایک چالیس دروازوں والی عمارت بنوائی جہاں سے ہر حاجت مند کی مدد کی جاتی تھی۔ ایک روز ایک فقیر نے ہر دروازے سے آ کر زیادہ مال کا مطالبہ کیا تو بادشاہ زادے نے اسے ٹوکا اور اُسے فقر کا اصل مفہوم بتایا۔ اس پر فقیر نے بادشاہ کی سخاوت کو دکھاوا قرار دیتے ہوئے اُسے سخاوت کا اصل مفہوم سمجھایا اور بصرہ کی بادشاہ زادی کو حقیقی سخی ٹھہرایا۔ فقیر نے بادشاہ زادے کا دیا ہوا سارا مال واپس کر دیا۔ اس واقعے نے بادشاہ کے غرور کا خاتمہ کر کے اسے انسانیت اور صبر و قناعت کا سبق دیا، جس سے سخاوت کی حقیقت واضح ہو گئی۔

عبارت نمبر 1

جب دوسرے درویش کے کہنے کی نوبت پہنچی، وہ چار زانوں ہو بیٹھا اور بولا:

اے یارو! اس فقیر کا ٹک ماجرا سنو! — میں ابتدا سے کہتا ہوں تا انتہا سنو!
جس کا علاج کر نہیں سکتا کوئی حکیم — ہے گا ہمارا درد پٹک لا دوا سنو!

اے دَلق پوشو! یہ عاجز بادشاہ زادہ فارس کے ملک کا ہے، ہر فن کے آدمی وہاں پیدا ہوتے ہیں، چناں چہ ''اصفہان، نصفِ جہان'' مشہور ہے۔ ہَفت اقلیم میں اس اِقلیم کے برابر کوئی ولایت نہیں، کہ وہاں کا ستارہ آفتاب ہے اور وہ ساتوں کواکب میں نیّرِ اعظم ہے۔ آب و ہوا وہاں کی خوش اور لوگ روشن طبع اور صاحبِ سلیقہ ہوتے ہیں۔ میرے قبلہ گاہ نے (جو بادشاہ اس ملک کے تھے) لڑکپن سے، قاعدے اور قانون سلطنت کے تربیت کرنے کے واسطے، بڑے بڑے دانا استاد، ہر ایک علم اور کسب کے چُن کر، میری اتالیقی کے لیے مقرر کیے تھے، تو تعلیمِ کامل ہر نوع کی پا کر، قابل ہوں۔ خدا کے فضل سے چودہ برس کے سِن و سال میں سب علم سے ماہر ہوا۔ گفت گُو معقول، نشست و برخاست پسندیدہ اور جو کچھ بادشاہوں کو لائق اور درکار ہے، سب حاصل کیا۔ اور یہی شوق شب و روز تھا کہ قابلوں کی صحبت میں قصّے ہر ایک ملک کے اور احوال اولوالعزم بادشاہوں اور نام آوروں کا سُنا کروں۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سبق کی پہلی عبارت ہے، اس لیے اس کا سیاق نہیں ہے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ ایک دانا مصاحب نے فارس کے شہزادے کو حاتم طائی کی لازوال سخاوت کا قصہ سنایا، جس سے متاثر ہو کر انھوں نے بھی اپنی فیاضی کے چرچے عام کرنے کا ارادہ کیا۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے ایک چالیس دروازوں والی عمارت بنوائی جہاں سے ہر حاجت مند کی مدد کی جاتی تھی۔ ایک روز ایک فقیر نے ہر دروازے سے آ کر زیادہ مال کا مطالبہ کیا تو بادشاہ زادے نے اسے ٹوکا اور اُسے فقر کا اصل مفہوم بتایا۔ اس پر فقیر نے بادشاہ کی سخاوت کو دکھاوا قرار دیتے ہوئے اُسے سخاوت کا اصل مفہوم سمجھایا اور بصرہ کی بادشاہ زادی کو حقیقی سخی ٹھہرایا۔ فقیر نے بادشاہ زادے کا دیا؛ رامال واپس کر دیا۔ اس واقعے نے بادشاہ کے غرور کا خاتمہ کر کے اسے انسانیت اور صبر و قناعت کا سبق دیا، جس سے سخاوت کی حقیقت واضح ہو گئی۔

تشریح

میر امّن کا اسلوبِ بیان نہایت سلیس، رواں اور دل کش ہے۔ انھوں نے درباری اور ثقیل فارسی زدہ زبان کی بجائے خالص ہندوستانی اور دہلی کی عوامی بولی کو اپنایا۔ انھوں نے مقامی رسم و رواج اور تہذیب کو داستان کا حصہ بنایا جس سے اردو ادب میں حقیقت پسندی کا رنگ پیدا ہوا۔

میر امن دہلوی کی داستان ''باغ و بہار'' اردو نثری ادب میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس داستان کے دوسرے درویش کا قصہ ایک ایسے کردار کی کہانی ہے جس نے تخت و تاج کی چکا چوند سے لے کر درویشی کی ویرانیوں تک کا سفر طے کیا ہے۔ جب یہ درویش اپنی آپ بیتی سنانے کے لیے اپنے ساتھیوں کے درمیان چار زانوں ہو کر بیٹھتا ہے تو اس کے لہجے میں ایک عجیب سا وقار اور دل کو چھو لینے والی اداسی پائی جاتی ہے۔ وہ اپنی بات کا آغاز چند اشعار سے کرتا ہے جن میں اس کی زندگی کا نچوڑ اور اس کے دل کا وہ گہرا زخم پوشیدہ ہے جو شاید اب کبھی نہیں بھر سکتا۔

ان اشعار میں درویش کہتا ہے کہ اے میرے دوستو! اس فقیر کی کہانی غور سے سنو، میں اپنی زندگی کا احوال بالکل شروع سے لے کر انجام تک بیان کرتا ہوں۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ میرے دل میں ایک ایسا درد اور ایسی تکلیف چھپی ہے جس کا علاج دنیا کا کوئی بھی طبیب یا حکیم نہیں کر سکتا۔ یہ درد اتنا لاعلاج اور گہرا ہے کہ اب اس کا کوئی مداوا ممکن نہیں رہا۔ ان اشعار کے ذریعے وہ سامعین کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ جس دکھ میں مبتلا ہے، وہ محض وقتی یا معمولی نہیں بلکہ ایک ایسی دائمی محرومی ہے جس نے اس کی روح کو زخمی کر دیا ہے۔ یہ اشعار درویش کی زندگی میں آنے والے اس بڑے تغیر کی تمہید ہیں جس نے اسے ایک شہزادے سے فقیر بنا دیا۔

؎ یہ انقلابِ زمانہ نہیں تو پھر کیا ہے — امیرِ شہر جو کل تھا وہ ہے فقیروں میں (اظہر نادر)

اپنی اصل کہانی کی طرف آتے ہوئے یہ درویش بتاتا ہے کہ وہ فارس یعنی ایران جیسے عظیم الشان ملک کا شہزادہ تھا۔ وہ اپنے وطن کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہاں ہر فن اور ہر ہنر کے ماہر لوگ پیدا ہوتے ہیں اور اسی لیے اصفہان کے بارے میں یہ کہاوت

مشہور ہے کہ یہ شہر نصف جہان ہے۔ درویش کے نزدیک ساتوں براعظموں میں اس کے وطن کے برابر کوئی دوسرا ملک نہیں، کیوں کہ اس کی فضائیں، اس کی آب و ہوا اور اس کے لوگوں کی ذہانت سب سے ممتاز تھی۔ وہ اپنے ملک کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے اسے آسمانی ستاروں میں سورج کی مانند قرار دیتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ باقی دنیا کے مقابلے میں اس کا وطن سب سے زیادہ روشن، تاب ناک اور مرکزِ نگاہ تھا۔ اپنے وطن اور اپنی قوم سے محبت انسان کی فطرت میں ہے۔

ہے محبت اس وطن سے، اپنی مٹی سے ہمیں اس لیے اپنا کریں گے جان و تن قربان ہم

اس کے والد جو اس وقت فارس کے بادشاہ تھے، اپنے بیٹے کی تربیت کے لیے بہت فکر مند رہتے تھے۔ شاہی گھرانے میں پرورش پانے کی وجہ سے اسے بہترین ماحول میسر تھا، لیکن اس کے والد نے اسے محض آسائشوں تک محدود نہیں رکھا۔ انھوں نے شہزادے کو ایک لائق اور صاحبِ بصیرت حکمران بنانے کے لیے اپنے وقت کے بڑے بڑے دانا، فلسفی اور ماہرینِ علوم کو بطور اتالیق مقرر کیا۔ درویش بتاتا ہے کہ اسے ہر شعبۂ زندگی، ہر فن اور ہر علم میں ماہر بنانے کے لیے خصوصی اہتمام کیا گیا تھا تاکہ جب وہ بڑا ہو تو اپنی سلطنت کے معاملات کو بہترین طریقے سے چلا سکے۔

اس کی تربیت کا یہ عالم تھا کہ محض چودہ برس کی عمر میں وہ ہر قسم کے علم و ہنر سے پوری طرح واقف ہو چکا تھا۔ اس نے صرف کتابی علم ہی حاصل نہیں کیا بلکہ اسے شاہی آداب بھی سکھائے گئے۔ وہ بتاتا ہے کہ اس کی گفت گو اتنی معقول تھی کہ سن کر ہر کوئی متاثر ہو جاتا اور اس کی نشست و برخاست کا انداز اتنا شائستہ تھا کہ اس سے اس کی تربیت اور شاہانہ وقار کا اظہار ہوتا تھا۔ ایک بادشاہ کے بیٹے کو جو جو خوبیاں درکار ہوتی ہیں، خدا کے فضل سے وہ سب اس میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ یہ سب اس کی محنت، اساتذہ کی توجہ اور اس کے اپنے شوق کا نتیجہ تھا کہ وہ کم عمری میں ہی اپنی قوم کے لیے ایک امید کی کرن بن چکا تھا۔ نیلسن منڈیلا کا قول ہے:

"تعلیم سب سے طاقت ور ہتھیار ہے جسے آپ دنیا کو بدلنے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔"

اس کی زندگی کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ اسے عیش و عشرت سے زیادہ علم و تاریخ سے لگاؤ تھا۔ وہ کہتا ہے کہ اسے اس بات کا بہت شوق تھا کہ وہ اپنے دربار میں ایسے لوگوں کو بلائے جو علم و فضل میں اپنا ثانی نہ رکھتے ہوں۔ وہ ان سے مختلف ممالک کے قصے سنتا، نامور بادشاہوں کی بہادری کے واقعات سنتا اور اولوالعزم حکمرانوں کے حالاتِ زندگی پر غور و فکر کرتا۔ اسے اس بات کا جنون تھا کہ وہ دنیا کے بڑے بڑے فاتحین اور دانش مندوں کے تجربات سے سیکھے۔ یہی وہ وقت تھا جب وہ اپنی زندگی کے سب سے پرسکون اور روشن دور سے گزر رہا تھا، اسے علم کے دروازے کھلے دکھائی دیتے تھے اور تخت و تاج کی ذمہ داریاں اس کی منتظر تھیں۔

درویش کی یہ داستان ایک ایسے انسان کی عکاسی کرتی ہے جو اپنی زندگی کے ہر پہلو میں مکمل اور کامیاب تھا۔ وہ حسن، علم، دولت اور اقتدار کے تمام تر لوازمات کے ساتھ ایک ایسی زندگی بسر کر رہا تھا جس پر ہر کوئی رشک کر سکتا تھا۔ وہ خود کو ایک ایسے شخص کے طور پر پیش کرتا ہے جو دنیا کے ہر فن سے تو واقف ہے، لیکن اپنی قسمت کے آگے بے بس ہے۔ اس کی یہ کہانی ایک عبرت کا مقام ہے کہ جس کے پاس دنیا کی ہر نعمت موجود ہو، وہ بھی کبھی وقت کی ایسی گردش میں آ سکتا ہے جہاں اسے سب کچھ چھوڑ کر درویشی کا راستہ اپنانا پڑے۔ وہ اب جس حالت میں ہے، اس کا تضاد اس کے ماضی کی شان و شوکت سے مل کر کہانی کو ایک ایسا جذباتی رنگ دیتا ہے جو سامعین کو متوجہ کر لیتا ہے۔ اس کا یہ ابتدائی احوال درحقیقت اس سفر کی بنیاد ہے جو اسے فارس کے شاہی محلوں سے نکال کر گمنامی اور دربدری کی خاک چھاننے پر مجبور کرتا ہے۔

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

عبارت نمبر 2

ایک روز ایک مصاحب دانا نے کہ خوب تواریخ داں اور جہاں دیدہ تھا، ذکر کیا کہ اگرچہ آدمی کی زندگی کا کچھ بھروسا نہیں لیکن اکثر وصف ایسے ہیں کہ ان کے سبب سے انسان کا نام قیامت تک زبانوں پر بخوبی چلا جائے گا۔ میں نے کہا: اگر تھوڑا سا احوال اس کا مفصل بیان کرو تو میں بھی سنوں اور اس پر عمل کروں۔ تب وہ شخص حاتم طائی کا ماجرا اس طرح سے کہنے لگا کہ حاتم کے وقت میں ایک بادشاہ عرب کا نوفل نام تھا۔ اس کو حاتم کے ساتھ، بہ سبب نام آوری کے، دشمنی کمال ہوئی۔ بہت سا لشکر فوج جمع کر کر لڑائی کی

خاطر چڑھ آیا۔ حاتم تو خداترس اور نیک مرد تھا، یہ سمجھا کہ اگر میں بھی جنگ کی تیاری کروں تو خدا کے بندے مارے جائیں گے اور بڑی خوں ریزی ہوگی۔ اس کا عذاب میرے نام لکھا جائے گا۔ یہ بات سوچ کر تنِ تنہا اپنی جان لے کر ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا چھپا، جب حاتم کے غائب ہونے کی خبر نوفل کو معلوم ہوئی، سب اسباب گھر بار حاتم کا قرق کیا اور منادی کروادی کہ جو کوئی ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر پکڑ لاوے، پانچ سو اشرفی بادشاہ کی سرکار سے انعام پاوے، یہ سن کر سب کو لالچ آیا اور جستجو حاتم کی کرنے لگے۔

سیاق وسباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ دوسرے درویش نے اپنی درد بھری کہانی شروع کی۔ وہ فارس کے بادشاہ کا بیٹا ہے جو کہ ایک خوش حال اور بہترین ملک ہے۔ اس کے والد نے بچپن سے ہی بہترین اساتذہ کے زیرِ نگرانی اس کی تربیت کی تھی۔ اس نے چودہ برس کی عمر تک ہر علم وفن میں مہارت حاصل کر کے تمام شاہی آداب سیکھ لیے تھے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ حاتم طائی سے متاثر ہو کر ایران کے بادشاہ زادہ نے نام کمانے کی خاطر چالیس دروازوں والا محل تعمیر کروایا اور حاجت مندوں کو نوازنے لگا۔ ایک بار ایک فقیر نے ہر دروازے سے باری باری اشرفیاں مانگیں تو بادشاہ نے اسے لالچی کہہ کر ٹوکا۔ جواباً فقیر نے بادشاہ کی سخاوت کو سطحی قرار دیا اور بصرہ کی شہزادی کو حقیقی سخی کہہ کر بادشاہ کو اپنی انا اور تکبر کا احساس دلایا۔

تشریح

میر امّن کا اسلوبِ بیان نہایت سلیس، رواں اور دل کش ہے۔ انھوں نے درباری اور ثقیل فارسی زدہ زبان کی بجائے خالص ہندوستانی اور دہلی کی عوامی بولی کو اپنایا۔ انھوں نے مقامی رسم ورواج اور تہذیب کو داستان کا حصہ بنایا جس سے اردو ادب میں حقیقت پسندی کا رنگ پیدا ہوا۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ ایک دن ایک دانا، تجربہ کار اور دنیا کے حالات وواقعات پر گہری نظر رکھنے والا شخص شہزادے کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ گفت گو کے دوران میں اس نے ایک نہایت اہم اور فکر انگیز بات کہی۔ اس نے کہا کہ انسان کی زندگی بہت مختصر اور غیر یقینی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب تک اس دنیا میں رہے گا اور کب اس کا وقت پورا ہو جائے گا۔ انسان چند روزہ زندگی گزار کر اس دنیا سے چلا جاتا ہے، لیکن اس کے اعمال اور کردار اس کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی نیکی، سخاوت، رحم دلی اور اچھے اخلاق کی وجہ سے مرنے کے بعد بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ رہتے ہیں۔ ان کا نام عزت اور احترام سے لیا جاتا ہے اور آنے والی نسلیں بھی انھیں یاد رکھتی ہیں۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

''سخی انسان مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے جب کہ بخیل اور بداخلاق انسان زندہ ہونے کے باوجود مردہ شمار ہوتا ہے۔''

شہزادے نے جب یہ بات سنی تو اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ ان خوبیوں کے بارے میں مزید جان سکے جن کی وجہ سے انسان کو ہمیشہ کے لیے عزت حاصل ہوتی ہے۔ اس نے اس دانا شخص سے درخواست کی کہ وہ اس موضوع کو مزید واضح کرے تاکہ وہ بھی ان اوصاف کو اپنی زندگی میں اپنا سکے۔ اس پر اس دانا شخص نے حاتم طائی کا واقعہ بیان کرنا شروع کیا تاکہ بات کو عملی مثال کے ذریعے سمجھایا جا سکے۔

وہ بیان کرتا ہے کہ عرب کا ایک بادشاہ تھا جس کا نام نوفل تھا۔ وہ اگرچہ ایک طاقت ور حکمران تھا، اس کے پاس دولت، فوج اور اقتدار سب کچھ موجود تھا لیکن اس کے باوجود وہ حاتم طائی کی شہرت اور نیک نامی سے خوش نہیں تھا۔ حاتم طائی عرب کے مشہور سخی، مہمان نواز اور نہایت رحم دل انسان تھے۔ ان کی سخاوت اور فیاضی کے چرچے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ لوگ ان سے محبت کرتے تھے اور ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ان کی نیک نامی اس قدر بڑھ چکی تھی کہ دور دور تک ان کا ذکر عزت واحترام سے کیا جاتا تھا۔ نوفل کو یہ بات برداشت نہیں تھی کہ ایک عام آدمی اس سے زیادہ عزت اور شہرت حاصل کر رہا ہے، حالاں کہ وہ خود

ایک بادشاہ تھا۔ اس کے دل میں حسد اور رقابت پیدا ہوگئی۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح حاتم طائی کی شہرت کو ختم کیا جائے اور لوگوں کے دلوں سے ان کی عزت کم کردی جائے۔ اسی حسد کی وجہ سے اس نے حاتم طائی کے خلاف دشمنی اختیار کرلی۔

؎ دلوں میں بغض کے خانے نہ ہوتے تو اپنے لوگ بیگانے نہ ہوتے (تنویر گوہر)

؎ کیا پتہ کب کسی رشتے کا بھروسا ٹوٹے ایسے لوگوں سے نہ ملیے جو حسد رکھتے ہیں (سالم شجاع انصاری)

چناں چہ نوفل نے ایک بڑی فوج جمع کی اور حاتم طائی کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کردی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ حاتم کو شکست دے کر اپنی طاقت کا اظہار کرے گا اور لوگوں کو یہ دکھائے گا کہ اصل طاقت ور کون ہے۔ جب حاتم طائی کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو انھوں نے نہایت سنجیدگی اور بردباری سے اس معاملے پر غور کیا۔ وہ ایک نہایت سمجھ دار، نرم دل اور خدا ترس انسان تھے۔ انھوں نے سوچا کہ اگر وہ بھی جنگ کے لیے تیار ہوں گے تو ایک خوف ناک لڑائی شروع ہوجائے گی جس میں ہزاروں بے گناہ لوگ مارے جائیں گے۔ خاندان برباد ہوں گے، بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہوجائیں گی۔ معاشرہ خوں ریزی اور تباہی کا شکار ہوجائے گا۔

؎ خون اپنا ہو یا پرایا ہو نسلِ آدم کا خون ہے آخر (ساحر لدھیانوی)

اگرچہ حاتم طائی اپنی جان اور عزت کے دفاع کا حق رکھتے تھے، لیکن انھوں نے ذاتی مفاد پر انسانیت کے مفاد کو ترجیح دی۔ انھوں نے سوچا کہ ایک فرد کی عزت کے لیے اتنے لوگوں کی جانیں خطرے میں ڈالنا درست نہیں۔ ان کا ضمیر انھیں اجازت نہیں دیتا تھا کہ ان کی وجہ سے معصوم انسانوں کا خون بہے۔ یہی ان کے اعلیٰ اخلاق، ایثار اور انسان دوستی کی سب سے بڑی علامت تھی۔ اسی سوچ کے تحت حاتم طائی نے جنگ سے بچنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے اپنا گھر بار، آرام اور آسائش چھوڑ دی اور تنہا ایک پہاڑ کی غار میں جا چھپے تاکہ جنگ نہ ہو اور خوں ریزی سے بچا جاسکے۔ یہ فیصلہ ان کی عظیم قربانی اور بلند کردار کا ثبوت تھا۔ انھوں نے اپنی ذات کو پسِ پشت ڈال کر دوسروں کی جانوں کو محفوظ رکھنے کو ترجیح دی۔ یہ وہ عمل تھا جو ہر انسان کے لیے ایک روشن مثال ہے کیوں کہ لڑائی میں فتح ہو یا شکست، نقصان انسانیت ہی کا ہوتا ہے۔ بقول شاعر:

؎ فتح کا جشن ہو کہ ہار کا سوگ زندگی میتوں پہ روتی ہے (ساحر لدھیانوی)

جب نوفل کو معلوم ہوا کہ حاتم طائی غائب ہوگئے ہیں تو اس نے سخت غصے میں ان کے گھر، مال و اسباب اور جائیداد پر قبضہ کرلیا۔ اس نے ان کے تمام اثاثے ضبط کرلیے اور حکم دیا کہ حاتم کا کوئی نشان باقی نہ چھوڑا جائے۔ اس کے بعد اس نے اعلان کروادیا کہ جو شخص حاتم طائی کو تلاش کرکے اس کے سامنے پیش کرے گا اسے پانچ سو اشرفیاں انعام میں دی جائیں گی۔ یہ انعام اس زمانے میں بہت بڑی رقم تھی، اس لیے بہت سے لوگ لالچ میں آکر حاتم کی تلاش میں نکل پڑے۔ ہر طرف شور مچ گیا اور لوگ مختلف جگہوں پر ان کو ڈھونڈنے لگے۔

مختصر یہ کہ انسان کی اصل پہچان اس کے اخلاق اور کردار سے ہوتی ہے۔ دولت، اقتدار اور طاقت عارضی چیزیں ہیں جو وقت کے ساتھ ختم ہوجاتی ہیں لیکن نیک اعمال اور اچھا کردار ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ جو انسان دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے، ان کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے اور اپنی ذات سے زیادہ دوسروں کی بھلائی کو اہمیت دیتا ہے، وہی حقیقی کامیاب انسان ہے۔ حسد، بغض اور خود غرضی انسان کو تباہی کی طرف لے جاتے ہیں جب کہ سخاوت، رحم دلی اور ایثار انسان کو ہمیشہ کے لیے عزت اور مقام عطا کرتے ہیں۔ حاتم طائی کا واقعہ اسی حقیقت کی روشن مثال ہے کہ نیک نامی ہی اصل دولت ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔

عبارت نمبر 3

ایک روز ایک بوڑھا اور اُس کی بُڑھیا، دو تین بچے چھوٹے چھوٹے ساتھ لیے ہوئے، لکڑیاں توڑنے کے واسطے، اس غار کے پاس، جہاں حاتم پوشیدہ تھا، پہنچے اور لکڑیاں اس جنگل سے چُننے لگے۔ بڑھیا بولی کہ اگر ہمارے دن کچھ بھلے آتے تو حاتم کو کہیں دیکھ پاتے اور اس کو پکڑ کر نوفل کے پاس لے جاتے تو وہ پانچ سو اشرفی دیتا اور ہم آرام سے کھاتے، اس دُکھ دھندے سے چھوٹ جاتے۔ بوڑھے نے کہا: ہمارے طالع میں یہی لکھا ہے کہ روز لکڑیاں توڑیں اور سر پر دھر کر بازار میں بیچیں تب لون روٹی میسر

آوے یا ایک روز جنگل سے باگھ لے جاوے۔ لے اپنا کام کر۔ ہمارے ہاتھ حاتم کا ہے کو آوے گا اور بادشاہ سے اتنے روپے دلا وے گا! عورت نے ٹھنڈی سانس بھری اور چپکی ہو رہی۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ فارس کا شہزادہ اپنے ماضی کا قصہ بیان کرتا ہے، جسے عظیم شخصیات کے واقعات سننے کا شوق تھا۔ اسی دوران میں ایک دانا مصاحب نے اسے حاتم طائی کا واقعہ سنایا کہ کس طرح حاتم نے بے گناہوں کو خون ریزی سے بچانے کے لیے گھر بار چھوڑ کر پہاڑ میں پناہ لی، جس کے بعد بادشاہ نوفل نے اس کی گرفتاری کے لیے انعام کا اعلان کیا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ حاتم طائی نے ایک غریب لکڑہارے کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈال کر خود کو بادشاہ نوفل کے حوالے کر دیا۔ حاتم کی اس عظیم سخاوت سے متاثر ہو کر بادشاہ نے اسے معاف کر کے سب کچھ واپس کر دیا۔ یہ سن کر ایران کے بادشاہ زادے نے بھی سخاوت کی راہ اپنائی اور حاجت مندوں کو نوازنا شروع کیا۔ ایک فقیر کے واقعے کے ذریعے مصنف نے سخاوت، فقر، قناعت اور صبر کے حقیقی مفہوم کو واضح کیا ہے۔

تشریح

میر امّن کا اسلوبِ بیان نہایت سلیس، رواں اور دل کش ہے۔ انھوں نے درباری اور ثقیل فارسی زدہ زبان کی بجائے خالص ہندوستانی اور دہلی کی عوامی بولی کو اپنایا۔ انھوں نے مقامی رسم و رواج اور تہذیب کو داستان کا حصہ بنایا جس سے اردو ادب میں حقیقت پسندی کا رنگ پیدا ہوا۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف نے حاتم طائی کی اعلیٰ ظرفی، سخاوت اور ہمدردی کے واقعات کو انتہائی دل چسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ حاتم طائی اپنی جان بچانے کے لیے ایک غار میں گوشہ نشین ہے اور عین اسی وقت ایک بوڑھا اور بڑھیا اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو ساتھ لیے لکڑیاں توڑنے کے لیے اُسی جنگل میں داخل ہوتے ہیں جہاں حاتم چھپا ہوا ہے۔ لکڑیاں چنتے ہوئے ان بوڑھے میاں بیوی کے درمیان ہونے والی گفت گو محض دو افراد کا آپس کا مکالمہ نہیں، بلکہ یہ اُس طبقے کی اجتماعی سوچ اور نفسیات کی عکاسی کرتی ہے جو اپنی بنیادی اور چھوٹی چھوٹی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہر وقت ایک اذیت ناک کشمکش میں مبتلا رہتا ہے۔

؎ زندگی تو نے مجھے قبر سے کم دی ہے زمیں پاؤں پھیلاؤں تو دیوار میں سر لگتا ہے (بشیر بدر)

بڑھیا کی باتوں میں ایک ایسی امید اور خواہش کارفرما ہے جو عام طور پر انتہائی غربت اور افلاس میں مبتلا انسانوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ جب وہ کہتی ہے کہ اگر ان کے دن اچھے ہوتے تو وہ حاتم طائی کو کہیں ڈھونڈ نکالتے اور اسے پکڑ کر بادشاہ نوفل کے پاس لے جاتے جس کے بدلے میں انھیں پانچ سو اشرفیاں ملتیں تو اس کے پیچھے دراصل اس کا یہ خواب چھپا ہے کہ وہ اس ذلت بھری، پسینہ بہانے والی اور تھکا دینے والی زندگی سے نجات پا سکیں۔ اس کے لیے حاتم طائی کی گرفتاری کوئی ظلم یا برا کام نہیں بلکہ اپنی تقدیر بدلنے کا ایک سنہری موقع ہے۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جب انسان غربت کی آخری حد پر ہوتا ہے تو اس کے اخلاقی معیارات، جذبات اور ترجیحات تبدیل ہو جاتے ہیں۔ بڑھیا کے لیے حاتم کی عظمت یا اس کی نیک نامی سے زیادہ اُس انعام کی اہمیت ہے جو اسے ایک پرسکون اور باعزت زندگی فراہم کر سکتا ہے۔ امام غزالی کا فرمان ہے:

"زیادہ خوش حالی اور زیادہ بدحالی دونوں بُرائی کی طرف لے جاتی ہیں۔"

دوسری جانب بوڑھے کا جواب حقیقت پسندی، مایوسی اور تلخ تجربات کا ایک ایسا نمونہ ہے جو پڑھنے والے کو جھنجھوڑ دیتا ہے۔ وہ اپنی بیوی کو کسی خیالی دنیا اور خوش فہمی سے نکال کر زمین پر کھڑا کر دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ہماری قسمت میں آرام اور خوش حالی نہیں لکھی، بلکہ ہماری پوری زندگی بس لکڑیاں توڑنے، انھیں اپنے سروں پر اٹھانے اور بازار میں لے جا کر فروخت کرنے کے

گرد گھومتی ہے، تاکہ کسی طرح پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے دو وقت کی روٹی کا انتظام ہو سکے۔ بوڑھے کا یہ لہجہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ان تلخ حقائق سے کس قدر مایوس ہے کہ اسے کسی معجزے کی امید بھی نہیں ہے۔ حالات کی سختی سے گھبرا کر مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

''جب تک تمھارے پاس ہمت اور پاؤں چلنے کے قابل ہیں تب تک حالات کی سنگینی سے نہ گھبراؤ کیوں کہ چٹان کو توڑنے کے لیے ہتھوڑے کی آخری ضرب ہی کام آتی ہے، پہلی ضربیں ناکام دکھائی دیتی ہیں مگر بنیاد وہی رکھتی ہیں۔''

بوڑھا اپنی بیوی کو سمجھاتا ہے کہ ہم اتنے خوش قسمت کہاں کہ حاتم جیسا شخص ہمارے ہاتھ لگے اور ہم بادشاہ سے اتنا بڑا انعام حاصل کر سکیں۔ وہ اسے کہتا ہے کہ ہمارا تو بس یہی مقدر ہے کہ روزانہ جنگل جائیں، محنت کریں اور اگر کبھی قسمت نے ساتھ نہ دیا تو کسی روز جنگل کا کوئی بھوکا درندہ ہمیں اپنا شکار بنا لے گا جو ہماری اس تکلیف دہ زندگی کا انجام ہوگا۔

؎ رہتا نہیں انسان تو مٹ جاتا ہے غم بھی سو جائیں گے اک روز زمیں اوڑھ کے ہم بھی (احسان دانش)

اس پوری عبارت میں حاتم طائی کی خاموش موجودگی ایک بہت اہم پہلو ہے۔ وہ غار کے اندر چھپا ہوا ہے اور باہر کھڑے ان مجبور لوگوں کی باتیں بڑی غور سے سن رہا ہے۔ حاتم طائی جو اپنی سخاوت کے لیے پوری دنیا میں معروف ہے، ان غریبوں کی زبان سے اپنی گرفتاری اور انعام کا ذکر سنتا ہے۔ یہ صورتِ حال انسانی نفسیات کے ایک ایسے پہلو کو بے نقاب کرتی ہے جہاں حاتم جیسا سخی انسان بھی دوسرے لوگوں کے لیے کمائی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ تاہم حاتم کا کردار یہاں ایک ایسے شخص کا ہے جو لوگوں کی مجبوریوں کو سمجھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ بوڑھا جوڑا کسی دشمنی کی وجہ سے ایسا نہیں کہہ رہا بلکہ یہ ان کے معاشی حالات کا تقاضا ہے۔ یہ مکالمہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ غربت کس طرح انسان کی سوچ اور اس کی انسانیت کو محدود کر دیتی ہے۔

؎ مفلسی حسِ لطافت کو مٹا دیتی ہے بھوک آداب کے سانچوں میں نہیں ڈھل سکتی (ساحر لدھیانوی)

اس عبارت کے ذریعے مصنف نے انتہائی سادہ اور عام فہم انداز میں یہ پیغام دیا ہے کہ غریب اور بے سہارا انسان کی زندگی محض ایک نہ ختم ہونے والی مشقت کا نام ہے۔ ان بوڑھے میاں بیوی کی گفت گو اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ غربت صرف پیٹ کی بھوک کا نام نہیں، بلکہ یہ انسان کے ذہن کو بھی محدود کر دیتی ہے۔

عبارت نمبر 4

یہ دونوں کی باتیں حاتم نے سنیں۔ مردمی اور مروّت سے بعید جانا کہ اپنے تئیں چھپائے اور جان کو بچائے اور ان دونوں بے چاروں کو مطلب تک نہ پہنچائے۔ سچ ہے کہ اگر آدمی میں رحم نہیں تو وہ انسان نہیں اور جس کے جی میں درد نہیں وہ قصائی ہے۔

؎ دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں (میر درد)

غرض حاتم کی جواں مردی نے نہ قبول کیا کہ اپنے کانوں سے سن کر چپکا ہو رہے۔ وو نہیں (وہیں) باہر نکل آیا اور اس بوڑھے سے کہا کہ اے عزیز! حاتم میں ہی ہوں، میرے تئیں نوفل کے پاس لے چل۔ وہ مجھے دیکھے گا اور جو کچھ روپے دینے کا اقرار کیا ہے تجھے دیوے گا۔ پیر مرد نے کہا: سچ ہے کہ اس صورت میں بھلائی اور بہبودی میری البتہ ہے، لیکن وہ کیا جانیے تجھ سے کیا سلوک کرے! اگر مار ڈالے تو میں کیا کروں؟ یہ مجھ سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ تجھ سے انسان کو اپنی طمع کی خاطر دشمن کے حوالے کروں۔ وہ مال کتنے دن کھاؤں گا اور کب تک جیوں گا؟ آخر مر جاؤں گا، تب خدا کو کیا جواب دوں گا؟ حاتم نے بہتیری منّت کی کہ مجھے لے چل، میں اپنی خوشی سے کہتا ہوں اور ہمیشہ اس آرزو میں رہتا ہوں کہ میرا جان و مال کسی کے کام آوے تو بہتر ہے، لیکن وہ بوڑھا کسی طرح راضی نہ ہوا کہ حاتم کو لے جاوے اور انعام پاوے۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ دوسرے درویش نے اپنی آپ بیتی کا آغاز فارس کے ایک تعلیم یافتہ اور ہونہار شہزادے کے طور پر کیا۔ وہ بتاتے ہیں کہ اپنی اعلیٰ تربیت اور علمی مہارت کے باوجود، ان کا زیادہ تر وقت تاریخ اور عظیم شخصیات

کے قصے سننے میں گزرتا تھا۔ ایک دانا مصاحب نے انھیں حاتم طائی کا واقعہ سنایا کہ کس طرح حاتم نے جنگ اور خونریزی سے بچنے کے لیے گمنامی اختیار کر لی تھی۔ حاتم کا یہ ایثار اور غریبوں کے لیے مدد کا ذریعہ بننے کا واقعہ ان کی زندگی کا ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ حاتم کی سچائی اور سخاوت نے نوفل کا دل جیت لیا۔ اس سے متاثر ہو کر فارس کے شہزادے نے بھی فیاضی کا راستہ اپنایا، مگر ایک فقیر نے انھیں سمجھایا کہ سخاوت صرف مال لٹانا نہیں، بلکہ اس کے لیے صبر، قناعت، خوفِ خدا اور نفس پر قابو پانا ضروری ہے۔ حقیقی سخی وہی ہے جو دنیاوی لالچ سے پاک ہو کر اپنی نیت کو خالص رکھے۔ سخاوت کا بوجھ اٹھانا بہت مشکل کام ہے۔

تشریح

میر امنؔ کا اسلوبِ بیان نہایت سلیس، رواں اور دل کش ہے۔ انھوں نے درباری اور ثقیل فارسی زدہ زبان کی بجائے خالص ہندوستانی اور دہلی کی عوامی بولی کو اپنایا۔ انھوں نے مقامی رسم و رواج اور تہذیب کو داستان کا حصہ بنایا جس سے اردو ادب میں حقیقت پسندی کا رنگ پیدا ہوا۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف نے حاتم طائی کی انسان دوستی اور اس کے اعلیٰ اخلاقی کردار کی ایک جھلک پیش کی ہے۔ مصنف بتاتے ہیں کہ حاتم طائی پر بادشاہ نوفل نے حملہ کر دیا تھا اور اس کے سر کی بھاری قیمت انعام کے طور پر مقرر کر دی تھی۔ حاتم اپنی جان بچا کر پہاڑوں میں روپوش ہو گیا تھا۔ اسی دوران میں اس کی ملاقات ایک غریب بوڑھے لکڑہارے سے ہوتی ہے، جس کی بیوی اور بچے تنگ دستی کی وجہ سے پریشان ہوتے ہیں۔ حاتم کی سخاوت اور ہمدردی کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی بھی قیمت پر دوسروں کی مدد کرنے سے پیچھے نہیں ہٹتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دُور کی، اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دُور کرے گا اور جس شخص نے کسی تنگ دست کے لیے آسانی کی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانی کرے گا۔'' (صحیح مسلم: 2699 کتاب الذکر والدعا)

جب حاتم نے سنا کہ وہ بوڑھا اپنی غربت دور کرنے کے لیے اسے پکڑ کر بادشاہ کے حوالے کرنا چاہتا ہے تا کہ انعام کی رقم حاصل کر سکے تو حاتم کا ضمیر اسے ملامت کرنے لگا۔ اس کے نزدیک یہ بات مردانگی اور شرافت کے خلاف تھی کہ کوئی مظلوم اس کے قریب ہو اور وہ اس کی ضرورت پوری کرنے میں مدد نہ کر سکے۔

اس عبارت میں خواجہ میر دردؔ کا شعر بطور خاص اہمیت کا حامل ہے، جس کے ذریعے میر امن دہلوی یہ پیغام دیتے ہیں کہ کائنات میں فرشتوں (کروبیوں) کی ایک بڑی تعداد پہلے ہی سے موجود ہے جو ہر لحہ اللہ کی تسبیح و عبادت میں مصروف ہے۔ انسان کو زمین پر بھیجنے کا خاص مقصد یہ ہے کہ اس کے دل میں ''درد'' یعنی دوسروں کے لیے ہمدردی، خیر خواہی اور خدمت کا جذبہ ہو۔ حاتم طائی کا کردار اس شعر کی عملی تصویر ہے۔ اس کا ماننا ہے کہ اگر کسی شخص کے دل میں دوسروں کا دکھ محسوس کرنے کی صلاحیت نہیں تو وہ انسانیت سے خارج ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر اس بوڑھے کی مدد کرنا چاہتا ہے۔

؎ اپنے لیے تو سب ہی جیتے ہیں اس جہاں میں ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا

حاتم کی شرافت اور خودداری کا یہ عالم تھا کہ اس نے اپنی جان کی پروا کیے بغیر اس بوڑھے کے سامنے خود کو ظاہر کر دیا اور اس سے کہا کہ تم مجھے پکڑ کر بادشاہ نوفل کے پاس لے جاؤ تا کہ وہ تمھیں انعام دے دے۔ حاتم کے لیے اپنی جان سے زیادہ عزیز دوسروں کی تکالیف کا مداوا کرنا تھا۔ وہ اپنی جان دے کر بھی کسی ضرورت مند کی مشکل آسان کرنے کا خواہش مند تھا۔ بوڑھے کا ردِعمل حاتم کی ہمت اور انسانیت کے سامنے پست ہو گیا۔ جب اس نے سنا کہ حاتم اپنی جان دینے پر راضی ہے تو اس کا دل بھر آیا۔ اس نے حاتم کی پیش کش کو ٹھکرا دیا، کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اپنی خود غرضی اور پیسوں کی خاطر کسی شریف انسان کی جان لینا، چاہے وہ خود اس کے لیے کتنی ہی بڑی خوش حالی کا باعث کیوں نہ ہو، ایک غیر انسانی فعل ہے۔ حضرت علیؓ کا فرمان ہے:

''بدترین انسان وہ ہے جو اپنے فائدے کے لیے دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے اور اس سے بھی بدتر وہ ہے جو اپنی دنیا بنانے کے لیے دوسرے کی عاقبت برباد کرتا ہے۔''

اس بوڑھے کے کردار سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسانیت ابھی زندہ تھی۔ وہ بوڑھا بھوکا اور غریب ضرور تھا، لیکن اس کا ضمیر زندہ تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ حاتم کی زندگی بہت قیمتی ہے اور محض دنیوی فائدے کے لیے ایک ایسے انسان کو دشمن کے حوالے کرنا جو خود اپنی جان دے کر اس کی مدد کرنا چاہتا ہو، اخلاقی طور پر بہت بڑی گراوٹ ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ جس مال کے لیے وہ حاتم کو پکڑوانے کا سوچ رہا ہے، وہ مال چند روزہ ہے، لیکن حاتم کے خون کا دھبا اس کی پیشانی پر ہمیشہ کے لیے لگ جائے گا جس کا جواب وہ خدا کو نہیں دے سکے گا۔

دراصل انسان کی عظمت اس کے عہدوں یا دولت میں نہیں، بلکہ اس کے کردار اور دوسرے انسانوں کے لیے اس کی ہمدردی میں پوشیدہ ہے۔ حاتم طائی کا کردار ایک مثالی انسان کا ہے جو اپنی جان دینے کے لیے تیار ہے تاکہ کسی اور کا گھر بس سکے۔ دوسری طرف بوڑھے کا کردار ایک عام انسان کا ہے جس نے لالچ کے مقابلے میں انسانی اقدار کو ترجیح دی۔ حاتم نے بار بار اصرار کیا کہ وہ اسے لے چلے تاکہ اسے انعام مل سکے، لیکن بوڑھے نے کسی بھی صورت میں حاتم کو نقصان پہنچانے سے انکار کر دیا۔ یہ دونوں کردار اپنی اپنی جگہ انسانیت کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتے ہیں۔ حاتم ایثار کی بلندیوں پر ہے اور وہ بوڑھا اخلاقی بیداری کی مثال بن کر سامنے آتا ہے۔ میر امن نے اس عبارت میں بہت سادہ لیکن مؤثر انداز میں یہ پیغام دیا ہے کہ زندگی کا اصل مقصد ایک دوسرے کے کام آنا ہے، نہ کہ اپنی آسودگی کے لیے دوسروں کو قربان کر دینا۔ اگر ہم کسی دوسرے کی مدد نہ کر سکیں تو کم از کم ہمیں کسی کے لیے نقصان کا باعث بھی نہیں بننا چاہیے۔ حاتم کی یہ جواں مردی تاریخ میں اسی لیے یاد رکھی گئی کیوں کہ وہ اپنی ذات سے بالاتر ہو کر سوچتا تھا۔

عبارت نمبر 5

آخر لاچار ہو کر حاتم نے کہا: اگر تو مجھے یوں نہیں لے جاتا تو میں آپ سے آپ بادشاہ کے پاس جا کر کہتا ہوں کہ اس بوڑھے نے مجھے جنگل میں ایک پہاڑ کی کھوہ میں چھپا رکھا تھا۔ وہ بوڑھا ہنسا اور بولا: بھلائی کے بدلے بُرائی ملے تو یا نصیب! اس ردّو بدل کے سوال جواب میں آدمی اور بھی آن پہنچے، بھیڑ لگ گئی۔ انھوں نے معلوم کیا کہ حاتم یہی ہے، تُرت پکڑ لیا اور حاتم کو لے چلے۔ وہ بوڑھا بھی افسوس کرتا ہوا پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیا۔

جب نوفل کے رُوبہ رُو لے گئے، اس نے پوچھا کہ اس کو کون پکڑ لایا؟ ایک بدذات سنگ دل بولا کہ ایسا کام سوائے ہمارے کون کر سکتا ہے؟ یہ فتح ہمارے نام ہے، ہم نے عرش پر جھنڈا گاڑا ہے۔ ایک اور ڈِینگ مارنے لگا کہ میں کئی دن سے دوڑ دھوپ کر، جنگل سے پکڑ لایا ہوں، میری محنت پر نظر کیجیے اور جو قرار ہے سو دیجیے۔ اس طرح اشرفیوں کے لالچ سے ہر کوئی کہتا تھا کہ یہ کام مجھ سے ہوا۔ وہ بوڑھا چپکا ایک کونے میں لگا ہوا، سب کی شیخیاں سن رہا تھا اور حاتم کی خاطر کھڑا روتا تھا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ دوسرے درویش نے اپنی کہانی ایک شہزادے کے طور پر شروع کی، جو علم و ہنر میں ماہر تھا۔ ایک دانا مصاحب نے اسے حاتم طائی کی سخاوت کا قصہ سنایا کہ کیسے حاتم نے ایک غریب بوڑھے اور بوڑھی کی غربت دور کرنے کی خاطر خود کو دشمن کے حوالے کرنے کی پیش کش کی تاکہ وہ انعام پا سکیں۔ حاتم کی اس غیر معمولی انسانیت اور مروت نے شہزادے کو بے حد متاثر کیا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ حاتم طائی کی فیاضی دیکھ کر بادشاہ نوفل نے اسے عزت بخشی۔ اس سے متاثر ہو کر ایران کے شہزادے نے بھی عظیم الشان فلاحی عمارت بنوائی اور سخاوت شروع کی۔ ایک فقیر کے واقعے نے اس پر یہ

حقیقت آشکار کی کہ حقیقی سخاوت محض مال تقسیم کرنا نہیں، بلکہ اس کے لیے قناعت، صبر اور خوفِ خدا جیسے اعلیٰ اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے۔ سچا سخی وہی ہے جو دنیاوی حرص سے آزاد ہو۔

تشریح

میر امّن کا اسلوبِ بیان نہایت سلیس، رواں اور دل کش ہے۔ انھوں نے درباری اور ثقیل فارسی زدہ زبان کی بجائے خالص ہندوستانی اور دہلی کی عوامی بولی کو اپنایا۔ انھوں نے مقامی رسم و رواج اور تہذیب کو داستان کا حصہ بنایا جس سے اردو ادب میں حقیقت پسندی کا رنگ پیدا ہوا۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتے ہیں کہ حاتم طائی اپنی بے پناہ سخاوت، فیاضی اور انسانیت نوازی کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور تھا۔ اس کی یہ شہرت بادشاہ نوفل کے لیے باعثِ حسد بن گئی جو حاتم کی مقبولیت کو برداشت نہ کر سکا اور اسے کسی نہ کسی صورت ذلیل کرنے یا اپنی گرفت میں لینے کا خواہش مند تھا۔ نوفل نے اعلان کر رکھا تھا کہ جو بھی شخص حاتم کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کرے گا، اسے پانچ سو اشرفیاں انعام کے طور پر دی جائیں گی۔ حاتم ان حالات سے بخوبی واقف تھا مگر اس کی طبیعت میں موجود انکسار اور دوسروں کا دکھ بانٹنے کا جذبہ اسے سکون سے بیٹھنے نہیں دیتا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے:

''اللہ کی بارگاہ میں اعمال میں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کسی بے سہارا مومن کے دل میں خوشی داخل کرنا، اس کا قرض اتارنا یا اس کی بھوک کو دور کرنا ہے۔''

حاتم کا سامنا ایک بوڑھے سے ہوتا ہے۔ یہ بوڑھا غریب اور مجبور تھا اور اس کی نظر بادشاہ کے اس انعام پر تھی جو حاتم کو پکڑنے والے کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ حاتم جو کہ سخاوت کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا، جب اس بوڑھے کی غربت اور بے بسی کو دیکھتا ہے تو وہ اس کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھ لیتا ہے۔ حاتم کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ خود بادشاہ کے پاس جانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، صرف اس لیے کہ وہ بوڑھا اسے بادشاہ کے سامنے پیش کر سکے اور انعام حاصل کر کے اپنی زندگی کی مشکلات سے نجات پا سکے۔ حاتم کا یہ عمل اس کی انسان دوستی کی معراج ہے۔ وہ اس بوڑھے سے کہتا ہے کہ اگر تم مجھے خود نہیں لے جا رہے تو میں خود بادشاہ کے پاس جا کر اقرار کر لوں گا کہ اس بوڑھے نے مجھے جنگل میں پہاڑ کی کھوہ میں چھپا رکھا تھا۔

وہ بوڑھا ہنس پڑا اور اس نے ایک مشہور مقولہ دہرایا کہ بھلائی کے بدلے برائی ملتی ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بوڑھا حاتم کی جان بچانا چاہتا ہے اور حاتم اسے بادشاہ سے سزا دلوانا چاہتا ہے۔ دنیا کے حالات ایسے ہیں کہ یہاں نیکی کرنے والے کو اکثر نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ بوڑھے کا یہ ردِعمل اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ اس نے زندگی کے تلخ تجربات سے سیکھ لیا ہے کہ یہاں ہمدردی کی کوئی قدر نہیں، بلکہ ہر شخص صرف اپنے مطلب اور مفاد کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔

؎ دل چسپ واقعہ ہے کہ کل اک عزیز دوست اپنے مفاد پر مجھے قربان کر گیا (خالد شریف)

اس بحث کے دوران میں وہاں کچھ اور لوگ آ پہنچتے ہیں۔ یہ لوگ موقع پرست ہیں، جن کی نظر میں حاتم کی بزرگی یا اس کی فیاضی کی کوئی اہمیت نہیں، بلکہ انھیں صرف وہ اشرفیاں نظر آ رہی ہیں جو بادشاہ نے انعام کے طور پر رکھی ہیں۔ یہ لوگ حاتم کو پکڑ کر بادشاہ کے دربار کی طرف چل پڑتے ہیں۔ اس سفر میں وہ بوڑھا بھی خاموشی سے پیچھے پیچھے چلتا ہے کیوں کہ وہ بھی اسی انعام کا امیدوار ہے جس کے لیے دوسرے لوگ لڑ رہے ہیں۔ بوڑھے کا یہ عمل اس کے دل میں موجود کشمکش کو ظاہر کرتا ہے؛ وہ ایک طرف تو حاتم کی ہمدردی سے متاثر ہے اور اس پر افسوس کر رہا ہے، دوسری طرف وہ خود بھی اپنی غربت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس دوڑ کا حصہ بن گیا ہے۔

؎ اس حرص و ہوس کے میلے میں ہم جنسِ محبت لائے ہیں سب سستے مال کے گاہک ہیں یہ مہنگا سودا کون کرے (اجمل رضوی)

جب حاتم کو بادشاہ نوفل کے روبرو پیش کیا جاتا ہے تو دربار کا منظر بدل جاتا ہے۔ وہاں موجود درباری اور عام لوگ جو حاتم کو پکڑ کر لائے تھے، اپنی اصلیت دکھانے لگتے ہیں۔ بادشاہ کا سوال سنتے ہی کہ اسے کس نے گرفتار کیا، ہر شخص جھوٹ بولنے اور

خود کو فاتح ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ کام صرف ہمارے دم سے ممکن ہوا، کوئی اپنی ہمت اور دوڑ دھوپ کے قصے سناتا ہے اور کوئی بادشاہ کے سامنے اپنی جھوٹی بہادری کی ڈینگیں مارتا ہے۔ ان تمام لوگوں کا مقصد صرف انعام کی رقم کا حصول ہے اور اس لالچ میں وہ اپنی انسانیت، شرم اور حیا کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔

؎ آسمانوں سے فرشتے جو اتارے جائیں وہ بھی اس دور میں سچ بولیں تو مارے جائیں (امید فاضلی)

چناں چہ وہ بوڑھا خاموشی سے ایک کونے میں کھڑا تماشا دیکھ رہا ہے۔ وہ ان لوگوں کی بے حسی اور جھوٹ دیکھ کر دکھی ہوتا ہے اور حاتم کی حالت پر اسے زار و قطار رونا آتا ہے۔ یہ منظر حاتم کی شخصیت کی بلندی اور دوسرے لوگوں کی پستی کا ایک بہترین موازنہ ہے۔ حاتم کا کردار اس بات کی علامت ہے کہ سچا انسان اپنی ذات کو مٹا کر بھی دوسروں کے کام آنا سعادت سمجھتا ہے، جب کہ مفاد پرست لوگ دوسروں کے سہارے اپنی دنیا سنوارنے کے چکر میں اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ دراصل دولت کی ہوس انسان کو اتنا اندھا کر دیتی ہے کہ وہ بھلائی اور نیکی کے فرق کو بھی بھول جاتا ہے۔

عبارت نمبر 6

جب اپنی اپنی دِلاوَری اور مردانگی سب کہ چکے تب حاتم نے بادشاہ سے کہا: اگر سچ بات پوچھو تو یہ ہے کہ وہ بوڑھا جو الگ سب سے کھڑا ہے، مجھ کو لایا ہے۔ اگر قیافہ پہچان جانتے ہو تو دریافت کرو اور میرے پکڑنے کی خاطر جو قول کیا ہے پورا کرو کہ سارے ڈیل میں زبان حلال ہے۔ مرد کو چاہیے، جو کہے، سو کرے۔ نہیں تو جیبھ حیوان کو بھی خدا نے دی ہے، پھر حیوان اور انسان میں کیا تفاوت ہے؟

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ ایران کے شہزادے نے حاتم طائی کا قصہ سنا، جس میں حاتم نے ایک غریب بوڑھے کی مدد کے لیے خود کو بادشاہ نوفل کے حوالے کرنے کی کوشش کی۔ بوڑھا اپنی انسانیت کی وجہ سے حاتم کو گرفتار کروانے پر راضی نہ ہوا۔ آخر کار دوسرے لوگوں نے لالچ میں حاتم کو پکڑ کر انعام کے جھوٹے دعوے کیے، جب کہ وہ بوڑھا اپنی شرافت کے باعث وہاں کھڑا حاتم کی خاطر افسوس کرتا رہا۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ نوفل حاتم کی سخاوت سے متاثر ہو کر اس کا معترف ہو گیا۔ یہ دیکھ کر ایران کے شہزادے نے بھی چالیس دروازوں والی عمارت میں سخاوت کا سلسلہ شروع کیا۔ ایک بار ایک فقیر نے اسے فقر اور سخاوت کے حقیقی معانی سمجھائے۔ اس واقعے سے بادشاہ پر آشکار ہوا کہ سخاوت صرف مال لٹانے کا نام نہیں، بلکہ اس کے لیے تقویٰ، قناعت اور اعلیٰ اخلاق کی ضرورت ہے۔

تشریح

میر امّن کا اسلوب بیان نہایت سلیس، رواں اور دل کش ہے۔ انھوں نے درباری اور ثقیل فارسی زدہ زبان کی بجائے خالص ہندوستانی اور دہلی کی عوامی بولی کو اپنایا۔ انھوں نے مقامی رسم و رواج اور تہذیب کو داستان کا حصہ بنایا جس سے اردو ادب میں حقیقت پسندی کا رنگ پیدا ہوا۔

تشریح طلب عبارت میں حاتم طائی کی سچائی، دیانت داری، انصاف پسندی اور انسان دوستی نمایاں طور پر سامنے آتی ہے۔ حاتم طائی اپنے علاقے کے لوگوں کو خوں ریزی اور انتشار سے بچانے کے لیے خود گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی وجہ سے لوگوں کے درمیان لڑائی جھگڑا ہو یا ملک میں بدامنی پیدا ہو۔ چناں چہ وہ ایک غار میں جا کر رہنے لگے۔ دوسری طرف بادشاہ نے اعلان کر رکھا تھا کہ جو شخص حاتم کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کرے گا، اسے ایک بڑا انعام دیا جائے گا۔ بہت سے لوگ اس انعام کے لالچ میں حاتم کی تلاش میں سرگرداں تھے، لیکن کوئی بھی انھیں ڈھونڈنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

ایک دن ایک غریب بوڑھا اپنی بیوی اور چھوٹے بچوں کے ساتھ جنگل میں لکڑیاں چننے آیا۔ غربت اور تنگ دستی نے اسے بہت پریشان کر رکھا تھا۔ اس کی بیوی اسے کہتی ہے کہ اگر کسی طرح حاتم طائی مل جائیں تو ان پر مقرر کردہ انعام حاصل کر کے وہ اپنے بچوں کی زندگی بہتر بنا سکتے ہیں۔ حاتم طائی نے غار میں بیٹھے ہوئے اس بوڑھے اور اس کی بیوی کی درد بھری گفت گو سن لی۔ وہ ان کی بے بسی، غربت اور مجبوری سے بہت متاثر ہوئے۔ ان کا دل اس غریب خاندان کے لیے رحم سے بھر گیا۔ چناں چہ انھوں نے اپنی جان اور آزادی کی پروا کیے بغیر خود کو اس بوڑھے کے حوالے کر دیا تا کہ وہ انعام حاصل کر کے اپنی ضروریات پوری کر سکے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے:

''اللہ کی بارگاہ میں اعمال میں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کسی بے سہارا مومن کے دل میں خوشی داخل کرنا، اس کا قرض اتارنا یا اس کی بھوک کو دور کرنا ہے۔''

جب حاتم طائی کو دربار میں لایا گیا تو وہاں ایک عجیب صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ انعام کے لالچ میں کئی لوگ دعوے دار بن کر سامنے آ گئے اور ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ وہی حاتم کو گرفتار کر کے لایا ہے۔ کوئی اپنی بہادری کے قصے سنانے لگا اور کوئی اپنی عقل مندی اور چالاکی کا ذکر کرنے لگا۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ انعام اسی کو ملے۔ دربار میں جھوٹے دعووں کا سلسلہ جاری تھا اور ہر شخص اپنی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔

؎ وہ قحطِ حرفِ حق ہے کہ اس عہد میں فرازؔ خود سا گناہ گار پیمبر لگے مجھے

جب سب لوگ اپنی اپنی بہادری کے قصے سنا چکے تو حاتم طائی نے خاموشی توڑی اور بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر تم حقیقت جاننا چاہتے ہو تو وہ بوڑھا جو سب سے الگ کھڑا ہے، دراصل مجھے یہاں لایا ہے۔ باقی تمام لوگ جھوٹ بول رہے ہیں اور انعام حاصل کرنے کے لیے غلط دعوے کر رہے ہیں۔ حاتم نے نہایت صاف گوئی اور جرات کے ساتھ اصل حقیقت بیان کر دی۔ حالاں کہ اگر وہ چاہتے تو خاموش رہ سکتے تھے، لیکن ان کی فطرت میں سچائی اور انصاف شامل تھا، اس لیے انھوں نے حق بات کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی۔

حاتم بادشاہ کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس بوڑھے کے ساتھ جو وعدہ کیا گیا ہے، اسے پورا کیا جائے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انسان کی اصل عزت اس کے کردار میں ہوتی ہے۔ کوئی شخص زبان سے کوئی بات کہے تو اسے پورا بھی کرنا چاہیے۔ صرف دعوے کرنا یا وعدے کر لینا کوئی بڑی بات نہیں، بلکہ اصل اہمیت وعدے کو نبھانے میں ہے۔ ایک باکردار انسان وہی ہوتا ہے جس کے قول اور فعل میں یکسانیت ہو، جو بات وہ دوسروں سے کہتا ہے، خود بھی اس پر عمل کرتا ہے۔

حاتم کہتا ہے کہ مرد کو چاہیے جو کہے، سو کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سچا اور باوقار انسان اپنے الفاظ کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ وہ اپنی زبان کو بے سوچے سمجھے استعمال نہیں کرتا بلکہ ہر بات سوچ سمجھ کر کہتا ہے اور پھر اسے پورا کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ ایسے لوگ دوسروں کے اعتماد اور احترام کے مستحق بنتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں یا اپنے وعدے پورے نہیں کرتے، وہ آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں سے اتر جاتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں اپنے عہد اور قول و قرار کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا (بنی اسرائیل:34)

ترجمہ: ''اور عہد کو پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں (قیامت کے دن) باز پرس ہونے والی ہے۔''

آخر میں حاتم ایک نہایت گہری بات کہتے ہیں کہ اگر انسان اپنے وعدوں اور باتوں کی قدر نہ کرے تو پھر انسان اور حیوان میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ جانوروں کے پاس بھی زبان ہوتی ہے، لیکن انسان کو عقل، شعور، اخلاق اور ذمہ داری کا احساس عطا کیا گیا ہے۔ انسان کی برتری اسی وقت قائم رہتی ہے جب وہ سچائی، دیانت داری اور وعدے کی پابندی جیسی صفات کو

اپنائے رکھے۔ اگر وہ ان خوبیوں کو چھوڑ دے تو اپنی اصل عظمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

''جھوٹ اور وعدہ خلافی ایسی بیماریاں ہیں جو انسان کی تمام نیکیوں کی خوش بو کو ختم کر دیتی ہیں۔''

دراصل سچائی ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے، جھوٹ آخر کار بے نقاب ہو جاتا ہے اور ایک اچھے انسان کی پہچان اس کے کردار، انصاف پسندی اور وعدے کی پابندی سے ہوتی ہے۔ حاتم طائی نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ حقیقی عظمت دوسروں کی مدد کرنے، حق بات کہنے اور ہر حال میں سچائی کا ساتھ دینے میں ہے۔ یہی وہ اوصاف ہیں جو انسان کو معاشرے میں عزت، احترام اور دائمی نیک نامی عطا کرتے ہیں۔

عبارت نمبر 7

نوفل نے اس لکڑہارے بوڑھے کو پاس بلا کر پوچھا: سچ بتا کہ اصل کیا ہے؟ حاتم کو کون پکڑ لایا؟ اس بچارے نے سر سے پاؤں تک جو گزرا تھا راست کہ سنایا اور کہا کہ حاتم میری خاطر آپ سے آپ چلا آیا ہے۔ نوفل یہ ہمت حاتم کی سن کر متعجب ہوا کہ بل بے تیری سخاوت! اپنی جان کا خطرہ بھی نہ کیا۔ جتنے جھوٹ دعوے حاتم کو پکڑ لانے کے کرتے تھے، حکم کیا کہ ان کی ٹنڈیاں کس کر پانچ سو اشرفی کے بدلے پانچ پانچ سو جوتیاں ان کے سر پر لگاؤ، کہ ان کی جان نکل جائے۔ وونہیں (وہیں) تڑتڑ پیزاریں پڑنے لگیں کہ ایک دم میں سر اُن کے گنجے ہو گئے۔ سچ ہے: جھوٹ بولنا ایسا ہی گناہ ہے کہ کوئی گناہ اس کو نہیں پہنچتا۔ خدا سب کو اس بلا سے محفوظ رکھے اور جھوٹ بولنے کا چسکا نہ دے۔ بہت آدمی جھوٹ موٹ بکے جاتے ہیں، لیکن آزمائش کے وقت سزا پاتے ہیں۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ دوسرا درویش فارس کا شہزادہ ہے جو علم و حکمت سے آراستہ تھا۔ اسے حاتم طائی کی مروت اور ایثار کا قصہ سنایا گیا کہ کیسے حاتم نے ایک غریب بوڑھے اور بوڑھی کی مالی مدد کے لیے خود کو دشمن کے حوالے کر دیا تھا۔ انعام کے لالچی لوگوں کے دعووں کے باوجود حاتم نے بادشاہ کے سامنے حقیقت بیان کی اور بوڑھے کو ہی حق دار ٹھہرایا۔ اس واقعے نے شہزادے کو سکھایا کہ حقیقی انسانیت دوسروں کے کام آنے اور دردِ دل رکھنے میں ہی پوشیدہ ہے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ حاتم طائی کے ایثار سے متاثر ہو کر ایران کے شہزادے نے بھی سخاوت شروع کر دی۔ ایک روز ایک فقیر نے چالیس دروازوں سے بار بار اشرفیاں مانگیں، جس پر بادشاہ نے اسے قناعت کا درس دیا۔ جواباً فقیر نے بادشاہ کی سخاوت کو کھوکھلا قرار دیا اور بصرہ کی شہزادی کو حقیقی سخی ٹھہرایا۔ اس واقعے نے بادشاہ کو سخاوت کی اصل روح اور عاجزی کا سبق سکھایا۔

تشریح

میر امّن کا اسلوبِ بیان نہایت سلیس، رواں اور دل کش ہے۔ انھوں نے درباری اور ثقیل فارسی زدہ زبان کی بجائے خالص ہندوستانی اور دہلی کی عوامی بولی کو اپنایا۔ انھوں نے مقامی رسم و رواج اور تہذیب کو داستان کا حصہ بنایا جس سے اردو ادب میں حقیقت پسندی کا رنگ پیدا ہوا۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتے ہیں کہ بادشاہ نوفل کو حاتم طائی کی بے پناہ سخاوت اور شہرت سے شدید حسد تھا اور وہ ہر قیمت پر اسے پکڑ کر لانا چاہتا تھا۔ بادشاہ نے اعلان کیا کہ جو حاتم کو گرفتار کر کے لائے گا، اسے پانچ سو اشرفیاں انعام میں دی جائیں گی۔ اس لالچ میں بہت سے خود غرض اور جھوٹے لوگ سامنے آئے جنھوں نے جھوٹے دعوے کیے کہ وہ حاتم کو گرفتار کر کے لائے تھے۔ اصل حقیقت یہ تھی کہ حاتم طائی غریب بوڑھے لکڑہارے اور اس کی بڑھیا کی مدد کرنے کے لیے، جو انعام کے حق دار بننا چاہتے تھے، خود اپنی مرضی سے ان کے ساتھ بادشاہ کے دربار میں چلا آیا تھا تاکہ وہ بادشاہ سے انعام وصول کر سکیں اور اپنی غربت مٹا سکیں۔

جب حاتم طائی بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو بادشاہ کے استفسار پر اس نے پوری سچائی بیان کر دی۔ اسی دوران میں بادشاہ

نوفل نے اس غریب لکڑہارے کو بھی اپنے قریب بلایا جو حاتم کو ساتھ لے کر آیا تھا۔ اس بوڑھے لکڑہارے نے حاتم کے کہنے پر بالکل سچی کہانی سنائی کہ حاتم کو کسی نے زبردستی نہیں پکڑا بلکہ اس نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر محض ہم غریبوں کی حاجت پوری کرنے کے لیے خود کو حوالے کیا ہے۔ جب بادشاہ نوفل نے حاتم کی اس عظیم سخاوت، بے لوث دریا دلی اور اپنی جان کی پروا نہ کرنے کی بے مثال ہمت کے بارے میں سنا تو وہ حیران رہ گیا۔ اسے فوراً سمجھ آ گئی کہ جس حاتم کو وہ اپنا حریف سمجھ کر اس کی تذلیل کرنا چاہتا تھا، وہ دراصل کتنا عالی ظرف، نیک اور بہادر انسان ہے۔ بادشاہ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جن لوگوں نے حاتم کو پکڑ کر لانے کا ڈھونگ رچایا تھا، وہ سب کے سب جھوٹے اور مکار تھے اور صرف انعام کے لالچ میں اتنی بڑی جسارت کر رہے تھے۔

؎ کھوٹے کو کھرا بن کے نکھرنا نہیں اچھا چھوٹے کو بڑا بن کے ابھرنا نہیں اچھا (اسماعیل میرٹھی)

یہ جان کر بادشاہ کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا۔ اسے ان لوگوں کی مکاری پر سخت اشتعال آیا۔ اس نے فوراً حکم دیا کہ ان تمام جھوٹے دعوے داروں کو گرفتار کر لیا جائے اور ان کے ہاتھ اور بازو باندھ دیے جائیں۔ بادشاہ نے انصاف کا ایسا ترازو قائم کیا کہ ان لوگوں کو پانچ سو اشرفیاں دینے کے بجائے پانچ سو جوتے مارنے کا حکم صادر کیا۔ یہ سزا اس لیے دی گئی تاکہ انھیں ان کے جھوٹ کا عملی مزہ چکھایا جا سکے۔ بادشاہ کا انصاف اتنا سخت اور فوری تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے ان لوگوں کی عبرت ناک درگت بن گئی۔ جوتے پڑنے سے ان کے سر گنجے ہو گئے اور ان کا سارا غرور، فریب اور جھوٹ کا بھرم خاک میں مل گیا۔

؎ کچھ دیر حقیقت کو چھپایا بھی تو پھر کیا جھوٹوں نے جو سچوں کو چڑھایا بھی تو پھر کیا (اسماعیل میرٹھی)

؎ سچ بولو تو راحت ہے جھوٹوں پر سو آفت ہے (عبدالمتین نیاز)

یہ اٹل حقیقت ہے کہ جھوٹ کا عرصہ مختصر ہوتا ہے۔ انسان وقتی فائدے یا کسی دنیاوی لالچ میں آ کر جھوٹ تو بول لیتا ہے اور بظاہر خود کو بہت ہوشیار بھی سمجھتا ہے، لیکن حقیقت زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہ سکتی۔ آزمائش کا وقت آتے ہی سچ سورج کی طرح طلوع ہو جاتا ہے اور جھوٹ بولنے والے کو ذلت، رسوائی اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جھوٹ صرف ایک اخلاقی برائی ہی نہیں بلکہ یہ انسان کو دنیا اور آخرت میں بھی بدنام کرنے والی چیز ہے۔ سچائی میں وہ مقناطیسی طاقت ہے جو بڑے سے بڑے دشمن کا دل بھی موم کر سکتی ہے، جیسا کہ حاتم کی سچائی نے نوفل جیسے مغرور اور حاسد بادشاہ کے دل میں بھی اس کے لیے احترام کے جذبات پیدا کر دیے۔

آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الصدق ینجی و الکذب یھلک

ترجمہ: ''سچ نجات دیتا ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔''

آخر میں مصنف کہتے ہیں کہ خدا سب کو جھوٹ بولنے کی بری عادت سے محفوظ رکھے۔ جھوٹ کی عادت ایسی بری بلا ہے کہ یہ انسان کی شخصیت کو مسخ کر دیتی ہے اور اسے معاشرے میں ذلیل و خوار کر کے چھوڑتی ہے۔ ہمیشہ سچ بولنے میں ہی عافیت اور سکون ہے، چاہے حالات کتنے ہی کٹھن کیوں نہ ہوں۔ سچ انسان کو وقار، عزت اور اطمینانِ قلب بخشتا ہے جب کہ جھوٹ انسان کو دنیا کی نظروں میں گرانے کے ساتھ ساتھ ضمیر کا مجرم بھی بنا دیتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہر حال میں راست بازی اختیار کریں کیوں کہ سچائی ہی وہ واحد راستہ ہے جو انسان کو حقیقی بلندیوں تک لے جاتا ہے۔

؎ سچے کی تو عزت ہی بڑھے گی جو کریں جانچ مشہور مثل ہے کہ نہیں سانچ کو کچھ آنچ (اسماعیل میرٹھی)

عبارت نمبر 8

غرض ان سب کو، موافق ان کے انعام دے کر، نوفل نے اپنے دل میں خیال کیا کہ حاتم جیسے شخص سے (کہ ایک عالم کو اس سے فیض پہنچتا ہے اور محتاجوں کی خاطر جان اپنی، دریغ نہیں کرتا اور خدا کی راہ میں سرتاپا حاضر ہے) دشمنی رکھنی اور اس کا مدعی ہونا آدمیت اور جواں مردی سے بعید ہے۔ وہ نہیں (وہیں) حاتم کا ہاتھ بڑی دوستی اور گرم جوشی سے پکڑ لیا اور کہا ''کیوں نہ ہو، جب

ایسے ہو، تب ایسے ہو۔'' تواضع، تعظیم کر کے پاس بٹھلایا اور حاتم کا مُلک و اِملاک اور مال و اسباب جو کچھ ضبط کیا تھا، وہیں چھوڑ دیا۔ نئے سرے سے سرداری قبیلہ طے کی اُسے دی۔ اور اس بوڑھے کو پانچ سو اشرفیاں اپنے خزانے سے دلوا دیں۔ وہ دعا دیتا ہوا چلا گیا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ بادشاہ زادے نے جو اَب درویش ہے، حاتم طائی کی سخاوت کا قصہ سنایا۔ جب بادشاہ نے حاتم کی گرفتاری پر انعام رکھا تو ایک غریب لکڑہارے کی مدد کے لیے حاتم خود پیش ہو گئے۔ بادشاہ کے دربار میں سچائی بیان کر کے انھوں نے بوڑھے کو انعام دلوایا اور جھوٹے دعوے داروں کو عبرت ناک سزا دلوائی۔ یہ واقعہ حاتم کی بے مثال عالی ظرفی اور سچائی کو ظاہر کرتا ہے۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ حاتم طائی کی سخاوت سے متاثر ہو کر بادشاہ نے چالیس دروازوں والا ایک خیراتی محل تعمیر کروایا۔ ایک بار ایک فقیر نے ہر دروازے سے آ کر زائد اشرفیوں کا مطالبہ کیا تو بادشاہ نے اسے قناعت کی نصیحت کی۔ فقیر نے غصے میں تمام اشرفیاں واپس کر کے بادشاہ کو سخی کے حقیقی معنوں سے آگاہ کیا اور کہا کہ تم ابھی اس مقام سے دور ہو۔ فقیر نے بصرہ کی ایک بادشاہ زادی کو دنیا کی واحد سچی سخی قرار دیا اور بادشاہ کی منتیں ٹھکرا کر وہاں سے چلا گیا۔

تشریح

میر امّن کا اسلوبِ بیان نہایت سلیس، رواں اور دل کش ہے۔ انھوں نے درباری اور ثقیل فارسی زدہ زبان کی بجائے خالص ہندوستانی اور دہلی کی عوامی بولی کو اپنایا۔ انھوں نے مقامی رسم و رواج اور تہذیب کو داستان کا حصہ بنایا جس سے اردو ادب میں حقیقت پسندی کا رنگ پیدا ہوا۔

اس عبارت میں میر امن دہلوی نے نوفل کی شخصیت کے بدلتے ہوئے رویے اور اس کے ضمیر کے جاگنے کی بہت ہی باریک بینی سے منظر کشی کی ہے۔ مصنف بتاتے ہیں کہ نوفل نے حاتم طائی کے خلاف دشمنی اور عناد کی بنا پر اس کے علاقے پر چڑھائی کر دی تھی۔ اس کا مقصد حاتم کو گرفتار کرنا یا اس کا خاتمہ کرنا تھا، جس کی وجہ سے حاتم کے ملک اور املاک کو ضبط کر لیا گیا تھا۔ اس دوران میں ایک بوڑھے کی خاطر حاتم نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اس کی مدد کا سامان کیا۔ جب نوفل نے حاتم کی اس عظیم سخاوت، انسانی ہمدردی اور بے غرضی کا مشاہدہ کیا تو اس کے دل کی دنیا بدل گئی۔

؎ میں محبت ہوں مجھے آتا ہے نفرت کا علاج تم ہر اک شخص کے سینے میں مرا دل رکھ دو (عاصی کرنالی)

نوفل نے جب دیکھا کہ حاتم اپنی جان کی پروا کیے بغیر دوسروں کی مدد کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے اور اس کی سخاوت کا فیض پوری دنیا اٹھا رہی ہے تو اس کا ضمیر ملامت کرنے لگا۔ اسے احساس ہوا کہ ایسے بلند کردار اور سخی انسان کے ساتھ دشمنی کرنا شرافت اور مردانگی کے اصولوں کے سراسر خلاف ہے۔ اس نے سوچا کہ حاتم جیسے شخص کی دشمنی کرنا، جس کے وجود سے ایک عالم فیض یاب ہو رہا ہو اور جو محتاجوں کی خاطر اپنی جان دینے تک سے دریغ نہ کرتا ہو، انتہائی غیر معقول حرکت ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ خدا کی راہ میں سرتاپا حاضر رہنے والے انسان کے خلاف مدعی بن کر کھڑا ہونا آدمیت اور جواں مردی جیسے اعلیٰ انسانی اوصاف سے کوسوں دور ہے۔ یہ خیال اس کے دل میں گھر کر گیا کہ جو شخص مخلوقِ خدا کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے، اس کے ساتھ دشمنی کرنا خود اپنی انسانیت کو داؤ پر لگانے کے مترادف ہے۔ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاس

ترجمہ: ''لوگوں میں سے بہتر وہ شخص ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔''

اس احساس کے پیدا ہوتے ہی نوفل کا رویہ فوراً تبدیل ہو گیا۔ اس نے اپنی تمام تر دشمنی اور غصے کو ایک طرف رکھ کر حاتم کا ہاتھ بہت گرم جوشی اور خلوص کے ساتھ تھام لیا۔ اس کا یہ عمل اس بات کی دلیل تھا کہ اب اس کے دل میں حاتم کے لیے نفرت کی

جگہ عزت واحترام نے لے لی ہے۔اس نے حاتم کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ تم واقعی ایسے ہی عظیم انسان ہو جیسا کہ تمہاری شہرت ہے۔اس نے حاتم کو نہایت ادب اور تعظیم کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا جو اس کی بدلتی ہوئی سوچ اور حاتم کے رعب و دبدبے کی عکاسی کرتا ہے۔وہ اب حاتم کو دشمن کی نظر سے نہیں، بلکہ ایک قابلِ قدر اور مثالی انسان کی نظر سے دیکھ رہا تھا، جس کی اخلاقی برتری نے اسے متاثر کر دیا تھا۔اچھے اخلاق کی تاثیر کے بارے میں قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''تم (برائی کو) اس نیکی سے ٹالو جو سب سے اچھی ہو تو اچانک وہ شخص کہ تمھارے اور اس کے درمیان دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسے وہ گہرا دوست ہو۔'' (سورۃ فُصِّلَت:34)

نوفل نے اپنی غلطی کی تلافی کے لیے عملی اقدامات بھی کیے۔سب سے پہلے تو اس نے وہ سارا ملک اور املاک جو ضبط کر رکھی تھیں، حاتم کو واپس کر دیں اور اسے کسی بھی قسم کی ملکیت سے محروم نہیں رکھا۔اس کے بعد اس نے حاتم کو قبیلہ طے کی سرداری دوبارہ سونپ دی، جس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے اپنی دشمنی کو مکمل طور پر ختم کر کے دوستی اور بھائی چارے کا ہاتھ بڑھایا ہے۔صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس بوڑھے لکڑہارے کی مدد کے لیے اپنے خزانے سے پانچ سو اشرفیاں دے کر اسے رخصت کیا، جس کی خاطر حاتم اپنی جان دینے پر آمادہ تھا۔اس طرح نوفل نے نہ صرف حاتم کی عزتِ نفس کو بحال کیا بلکہ اس نیکی کے کام میں خود بھی شریک ہو گیا۔قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (سورۃ المائدہ:2)

ترجمہ: ''اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

یہ عبارت انسانی کردار میں تبدیلی کی ایک بہترین مثال ہے۔مصنف کہتے ہیں کہ جب انسان کا سامنا کسی ایسے شخص سے ہو جو خیر، بھلائی اور انسانی ہمدردی کا پیکر ہو تو دشمن کے دل میں بھی نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔نوفل نے اپنی طاقت اور غرور کو چھوڑ کر اخلاق اور انسانیت کو ترجیح دی۔سخاوت اور بلند اخلاق وہ ہتھیار ہیں جو دشمن کے دل کو بھی فتح کر سکتے ہیں۔حاتم کی بے غرض مدد نے نوفل کے دل سے انتقام کی آگ بجھا دی اور نفرت کو دوستی میں بدل دیا۔اس واقعے نے یہ بھی ثابت کیا کہ کسی کی شخصیت کا اصل امتحان مشکل حالات میں ہی ہوتا ہے اور حاتم نے اپنی سخاوت کے ذریعے نہ صرف سائل کی مدد کی بلکہ اپنے دشمن کو بھی دوست بنا لیا۔

؎ حسنِ اخلاق و محبت کی فضا چھوڑ آئے ہم جہاں پہنچے وہاں بوئے وفا چھوڑ آئے (شاد فدائی دہلوی)

حاتم کے ساتھ پیش آنے والا یہ واقعہ بہت اہمیت رکھتا ہے جہاں نفرتیں محبت میں بدلتی نظر آتی ہیں۔مختصر یہ کہ اگر دلوں میں خلوص ہو تو پرانی سے پرانی دشمنی بھی ایک لمحے میں ختم ہو سکتی ہے اور دشمن بھی ایک بہترین دوست میں تبدیل ہو سکتا ہے۔انسان کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ حاتم کی طرح اپنی سخاوت اور اخلاق کو بلند رکھے کیوں کہ یہی وہ اوصاف ہیں جو نہ صرف دنیا میں عزت دلاتے ہیں بلکہ دشمنوں کے دلوں کو بھی مسخر کر دیتے ہیں۔نوفل کے رویے میں تبدیلی یہ پیغام دیتی ہے کہ کوئی بھی انسان پیدائشی برا نہیں ہوتا، بلکہ اچھے اخلاق اور کردار کے سامنے بڑے سے بڑا جابر بھی سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔یہی میر امّن کے قصے کی اصل روح ہے جو انسانیت کی معراج کی عکاسی کرتی ہے۔

عبارت نمبر ۹

جب یہ ماجرا حاتم کا میں نے تمام سنا، جی میں غیرت آئی اور یہ خیال گزرا کہ حاتم اپنی قوم کا فقط رئیس تھا، جس نے ایک سخاوت کے باعث یہ نام پیدا کیا کہ آج تک مشہور ہے۔میں خدا کے حکم سے بادشاہ تمام ایران کا ہوں، اگر اس نعمت سے محروم رہوں تو بڑا افسوس ہے۔فی الواقع دنیا میں کوئی کام، بڑا داد و دہش سے نہیں؛ اس واسطے کہ آدمی جو کچھ دنیا میں دیتا ہے اس کا عوض عاقبت میں لیتا ہے۔اگر کوئی ایک دانہ بوتا ہے تو اس سے کتنا کچھ پیدا ہوتا ہے۔یہ بات دل میں ٹھہرا کر میرِ عمارت کو بلوا کر حکم کیا کہ ایک

مکان عالی شان جس کے چالیس دروازے بلند اور بہت کشادہ ہوں، باہر شہر کے جلد بنواؤ۔ تھوڑے عرصے میں ویسی ہی عمارت وسیع، جیسا دل چاہتا تھا، بن کر تیار ہوئی۔ اور اس مکان میں ہر روز، ہر وقت، فجر سے شام تک محتاجوں اور بے کسوں کے تئیں روپے اشرفیاں دیتا اور جو کوئی جس چیز کا سوال کرتا، میں اسے مالا مال کرتا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ حاتم طائی نے ایک غریب لکڑہارے کے خاندان کو انعام دلوانے کے لیے خود کو دشمن کے حوالے کر دیا تھا۔ حاتم کی اس لازوال ایثار پسندی اور لکڑہارے کی دیانت داری سے متاثر ہو کر بادشاہ نوفل نے نہ صرف اپنی دشمنی ترک کی، بلکہ حاتم کو ان کا سب کچھ لوٹا کر عزت بخشی۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ ایک فقیر نے چالیس دروازوں سے گزر کر ایران کے شہزادے سے اشرفیوں کا مطالبہ کیا۔ شہزادے نے سخاوت تو کی مگر بعد میں فقیر کے لالچ پر اسے فقر کے حقیقی مفہوم سے آگاہ کیا۔ جواباً فقیر نے مال لوٹا کر اس کو ''سخی'' کے حروف کا گہرا مطلب سمجھایا اور بصرے کی شہزادی کو واحد سخی قرار دیا۔ اس واقعے نے شہزادے پر سخاوت اور فقر کا اعلیٰ فلسفہ واضح کر دیا۔

تشریح

میر امنؔ کا اسلوبِ بیان نہایت سلیس، رواں اور دل کش ہے۔ انھوں نے درباری اور ثقیل فارسی زدہ زبان کی بجائے خالص ہندوستانی اور دہلی کی عوامی بولی کو اپنایا۔ انھوں نے مقامی رسم و رواج اور تہذیب کو داستان کا حصہ بنایا جس سے اردو ادب میں حقیقت پسندی کا رنگ پیدا ہوا۔

تشریح طلب عبارت میں درویش اپنی زندگی کے ایک ایسے اہم اور یادگار واقعے کا ذکر کرتا ہے جس نے اس کے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالا اور اس کی سوچ کو بدل کر رکھ دیا۔ وہ بتاتا ہے کہ جب اس نے حاتم طائی کا قصہ سنا تو اس کے اندر ایک عجیب کیفیت پیدا ہوئی۔ یہ کیفیت صرف تعریف یا حیرت تک محدود نہیں تھی بلکہ اس میں ایک ایسی غیرت اور بیداری شامل تھی جو انسان کو اچھے کاموں کی طرف ابھارتی ہے۔ حاتم طائی عرب کا وہ مشہور سردار تھا جس کی سب سے بڑی پہچان اس کی سخاوت تھی۔ اس نے اپنی دولت اور مال کو اس طرح کھلے دل سے خرچ کیا کہ اس کا نام سخاوت کی علامت بن گیا اور آج تک اس کا ذکر عزت و احترام کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

درویش کہتا ہے کہ جب اس نے یہ واقعہ سنا تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ حاتم تو صرف اپنی قوم کا ایک سردار تھا، مگر اس نے اپنی سخاوت کے ذریعے اتنی زیادہ شہرت اور عزت حاصل کر لی۔ اس کے مقابلے میں وہ خود ایران جیسے عظیم ملک کا بادشاہ ہے جس کے پاس بے شمار خزانے، دولت اور طاقت ہے۔ اگر وہ ان نعمتوں کو صرف اپنے لیے رکھے اور دوسروں کی بھلائی کے لیے استعمال نہ کرے تو یہ اس کے لیے بہت بڑی محرومی اور ندامت کی بات ہوگی۔ اس سوچ نے اس کے دل میں یہ احساس پیدا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو سلطنت اور اختیار دیا ہے وہ صرف عیش و آرام کے لیے نہیں بلکہ لوگوں کی خدمت اور مدد کے لیے ہے۔

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا (اقبالؒ)

اسی سوچ کے نتیجے میں اس کے دل میں خیال آیا کہ اصل عظمت دولت جمع کرنے میں نہیں بلکہ اسے ضرورت مندوں پر خرچ کرنے میں ہے۔ وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ دنیا میں انسان جو کچھ دیتا ہے وہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ کسی نہ کسی شکل میں اس کا بدلہ ضرور ملتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نیکی ایک ایسا عمل ہے جو کم ہونے کی بجائے بڑھتا ہے۔ اس بات کو ایک سادہ مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر زمین میں ایک دانہ بویا جائے تو وہ بڑھ کر سیکڑوں دانے بن جاتا ہے، اسی طرح اگر انسان اپنی دولت سے دوسروں کی مدد کرے تو اس کا صلہ کئی گنا بڑھ کر واپس ملتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگائیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ بڑھا دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (سورۃ البقرہ:261)

یہ سوچ اس کے اندر سخاوت اور ہمدردی کے جذبات کو مزید مضبوط کر دیتی ہے۔ وہ فیصلہ کرتا ہے کہ وہ اپنی دولت کو انسانوں کی بھلائی کے لیے استعمال کرے گا۔ اسی ارادے کے تحت وہ اپنے محکمہ تعمیرات کے سربراہ کو بلاتا ہے اور اسے حکم دیتا ہے کہ شہر کے باہر ایک نہایت عظیم الشان، خوب صورت اور وسیع عمارت تیار کی جائے۔ یہ عمارت عام محل یا رہائش کے لیے نہیں تھی بلکہ اس کا مقصد انسانیت کی خدمت اور محتاجوں کی مدد تھا۔

وہ خاص طور پر اس عمارت میں چالیس بڑے اور کشادہ دروازے بنانے کا حکم دیتا ہے تاکہ ہر طرف سے لوگ آسانی سے اندر آسکیں اور کسی کو کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ یہ دروازے اس کے کھلے دل اور وسیع سوچ کی علامت تھے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی نظر میں ہر انسان برابر ہے اور ہر ضرورت مند کو مدد حاصل کرنے کا حق ہے۔ کچھ ہی عرصے میں وہ عمارت مکمل ہو جاتی ہے اور اپنی شان و شوکت اور وسعت کے باعث دیکھنے والوں کو حیران کر دیتی ہے۔

اس عمارت کا اصل حسن اس کی ظاہری خوب صورتی نہیں بلکہ اس کا مقصد تھا۔ بادشاہ نے اسے ایک خیراتی مرکز بنا دیا جہاں ہر روز صبح سے شام تک غریب محتاج، یتیم اور بے سہارا لوگ آتے تھے۔ فجر کے وقت سے لے کر رات تک وہاں لوگوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا۔ کوئی بھوکا ہوتا تو اسے کھانا دیا جاتا، کوئی ضرورت مند ہوتا تو اسے اشرفیاں دی جاتیں اور جو شخص جو چیز مانگتا اسے اس کی ضرورت کے مطابق دیا جاتا۔ اس جگہ سے کوئی بھی شخص خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا تھا۔ آنحضور ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

ترجمہ: ''رشک صرف دو بندوں پر جائز ہے: ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا اور وہ اسے حق کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت دی اور وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا اور لوگوں کو سکھاتا ہے۔'' (صحیح بخاری:73)

یہ نظام نہایت منظم اور ہمدردی پر مبنی تھا تاکہ ہر آنے والے کی عزتِ نفس کا خیال رکھا جا سکے۔ اس بادشاہ کا مقصد صرف مال بانٹنا نہیں تھا بلکہ ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا تھا جہاں کوئی شخص محرومی اور بے بسی کا شکار نہ ہو۔ اس کے عمل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اصل بادشاہی اقتدار اور طاقت میں نہیں بلکہ انسانیت کی خدمت اور دوسروں کے کام آنا ہے۔

عبارت نمبر 10

غرض چالیسوں دروازے سے حاجت مند آتے اور جو چاہتے، سو لے جاتے۔ ایک روز کا یہ ذکر ہے کہ ایک فقیر سامنے کے دروازے سے آیا اور سوال کیا۔ میں نے اسے ایک اشرفی دی۔ پھر وہی دوسرے دروازے سے ہو کر آیا۔ دو اشرفیاں مانگیں، میں نے پہچان کر درگزر کی اور دیں۔ اسی طرح اس نے ہر ایک دروازے سے آنا اور ایک اشرفی بڑھانا شروع کیا اور میں بھی جان بوجھ کر انجان ہوا اور اس کے سوال کے موافق دیا کیا۔ آخر چالیسویں دروازے کی راہ سے آ کر چالیس اشرفیاں مانگیں۔ وہ بھی میں نے دلوا دیں۔ اتنا کچھ لے کر وہ درویش پھر پہلے دروازے سے گھس آیا اور سوال کیا۔ مجھے بہت بُرا معلوم ہوا۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ فارس کے شہزادے نے حاتم طائی سے متاثر ہو کر سخاوت کا محل تعمیر کیا۔ وہاں وہ حاجت مندوں کی دل کھول کر مدد کرتا تھا۔ ایک دن ایک فقیر نے چالیسوں دروازوں سے الگ الگ اشرفیاں مانگیں، شہزادے نے فراخ دلی سے سب پورا کیا۔ لیکن جب وہی فقیر دوبارہ پہلے دروازے پر آ کر سوالی بنا تو شہزادے کی عالی ظرفی کے باوجود اسے فقیر کی اس ہوس پر سخت ناگواری ہوئی۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ فارس کے شہزادے نے ایک لالچی فقیر کو فقر کے حقیقی مفہوم یعنی فاقہ،

قناعت اور ریاضت سے آگاہ کیا اور اسے مال جمع کرنے سے روکا۔ ناراض فقیر نے مال لوٹا کر شہزادے کو سخاوت کے تین حروف؛ سمائی، خوفِ الٰہی اور موت کی یاد دہانی کرائی۔ اس نے تنبیہ کی کہ ابھی شہزادے کی منزل بہت دور ہے۔

تشریح

میر امّن کا اسلوبِ بیان نہایت سلیس، رواں اور دل کش ہے۔ انھوں نے درباری اور ثقیل فارسی زدہ زبان کی بجائے خالص ہندوستانی اور دہلی کی عوامی بولی کو اپنایا۔ انھوں نے مقامی رسم و رواج اور تہذیب کو داستان کا حصہ بنایا جس سے اردو ادب میں حقیقت پسندی کا رنگ پیدا ہوا۔

تشریح طلب عبارت میں انسانی فطرت، سخاوت کی معراج اور لالچ کی پستی کا ایک ایسا حسین امتزاج دکھایا گیا ہے جو قاری کو گہری سوچ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ایران کے بادشاہ زادے کا دل دولت کی محبت سے نہیں بلکہ انسانیت کی خدمت کے جذبے سے معمور تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا مقصد ہی غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کو بنا رکھا تھا اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اس نے اپنے محل میں خصوصی طور پر چالیس دروازے بنوا رکھے تھے۔ یہ چالیس دروازے محض لکڑی کے تختے یا راستے نہیں تھے، بلکہ یہ اس کی سخاوت کے چالیس مستحکم ستون تھے، جن کے ذریعے وہ بلا امتیاز ہر حاجت مند کی فریاد رسی کرتا تھا۔ اس نے اپنے دروازوں پر کسی پہرے دار کو متعین نہیں کیا تھا بلکہ اس کا دروازہ ہر خاص و عام کے لیے کھلا رہتا تھا۔

؎ خیرات کیا وہ بھی جو موجود نہیں تھا تو نے تہی دستوں کی سخاوت نہیں دیکھی (شہزاد احمد)

ایک دن، جب وہ اپنے اسی معمول کے مطابق حاجت مندوں کی خدمت میں مصروف تھا، ایک فقیر سامنے کے دروازے سے نمودار ہوا اور اس نے کچھ مدد طلب کی۔ بادشاہ زادہ، جس کا ضمیر ہمیشہ دوسروں کی بھلائی کے لیے بیدار رہتا تھا، فوراً اس کی آواز پر لبیک کہتا ہوا متوجہ ہوا اور اس فقیر کو ایک اشرفی عطا کر دی۔ فقیر کا یہ پہلا مطالبہ تھا اور شہزادے کا پہلا ردِ عمل، جس میں خلوص اور ہمدردی واضح تھی۔ لیکن اس کے بعد جو واقعہ پیش آیا، وہ دراصل شہزادے کے صبر کی ایک کٹھن آزمائش تھی۔ وہ فقیر وہاں سے نکلنے کے بعد ایک دوسری گلی سے گھوم کر آیا اور دوسرے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ اس بار اس نے دو اشرفیوں کا مطالبہ کیا۔ شہزادے نے فوراً پہچان لیا کہ یہ وہی شخص ہے جو تھوڑی دیر پہلے ایک اشرفی لے کر جا چکا ہے۔ فقیر کا یہ رویہ حرص اور طمع کی بدترین مثال ہے۔ آنحضور ﷺ نے اس کی مذمت فرمائی ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ (صحیح بخاری:1474)

ترجمہ: ”جو آدمی ہمیشہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن اس طرح اٹھے گا کہ اس کے چہرے پر ذرا بھی گوشت نہ ہوگا۔“

ایک عام انسان ہوتا تو شاید اسے جھڑک دیتا یا اس کی اس بدتمیزی اور لالچ پر اسے ملامت کرتا، لیکن شہزادہ تو ایک بلند کردار اور عالی ظرف انسان تھا۔ اس نے اپنی شرافت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور درگزر سے کام لیتے ہوئے اسے دو اشرفیاں دے دیں، حالاں کہ وہ جانتا تھا کہ یہ وہی سائل ہے جو اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے یہ ڈھونگ رچا رہا ہے۔ یہاں سے اس شہزادے کی ایک ایسی حکمتِ عملی شروع ہوتی ہے جو اس کے صبر کی انتہا کو ظاہر کرتی ہے۔ اس نے جان بوجھ کر خود کو ایسا ظاہر کیا جیسے وہ اس فقیر کو بالکل نہیں پہچانتا۔ اس نے اپنے آپ کو انجان بنا لیا تاکہ سائل کو شرمندگی نہ ہو اور وہ خود اپنی سخاوت کے راستے سے نہ ہٹے۔

پھر ایک عجیب اور افسوس ناک سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ فقیر ہر نئے دروازے سے داخل ہوتا اور ایک اشرفی کا اضافہ کر کے مانگتا۔ تیسرے دروازے سے تین، چوتھے سے چار اور پانچویں سے پانچ۔ بادشاہ ہر بار، پوری دیانت داری اور تسلسل کے ساتھ اس کی بڑھتی ہوئی فرمائش کو پورا کرتا رہا۔ اس کا یہ رویہ اس بات کا غماز تھا کہ اسے اپنی دولت کی پروا نہیں تھی، وہ تو صرف اپنے کیے ہوئے وعدے اور اپنے اس اصول پر قائم تھا کہ جو بھی اس کے دروازے پر آئے، وہ کبھی خالی ہاتھ نہ جائے۔ سخاوت کا اعلیٰ درجہ یہ

ہے کہ انسان گن گن کر نہ دے اور حساب نہ رکھے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''خرچ کرو اور گن گن کر نہ رکھو ورنہ اللہ بھی تمھیں گن گن کر (حساب سے) دے گا۔'' (صحیح بخاری:1434)

یہ منظر کتنا عجیب اور سبق آموز ہے کہ ایک طرف ایک ایسا شخص ہے جو اپنی جیب خالی کر رہا ہے اور دوسری طرف ایک ایسا شخص ہے جس کی ہوس کا پیالہ بھرنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ چالیسواں دروازہ وہ آخری منزل تھی جہاں اس فقیر نے اپنی تمام حدیں پار کر دیں اور چالیس اشرفیوں کا مطالبہ کر دیا۔ یہ ایک بڑی رقم تھی، لیکن شہزادے نے اسے بھی فوراً ادا کر دیا۔

اس واقعے کا سب سے اہم اور حتمی موڑ تب آیا جب وہ فقیر چالیس دروازوں کا چکر مکمل کرنے کے بعد، اپنے ہاتھ میں ڈھیر ساری اشرفیاں لیے دوبارہ پہلے دروازے پر آ گیا اور پھر سے سوال کرنے کی جسارت کی۔ اس بار اس کا یہ عمل شہزادے کے صبر کی آخری حد کو توڑ گیا۔ شہزادہ، جو چالیس بار اسے درگزر کر چکا تھا، اب اس فقیر کی بے جا ہوس اور اس کی ڈھٹائی کو مزید برداشت نہ کر سکا۔ اسے یہ محسوس ہوا کہ اب یہ عمل حاجت نہیں بلکہ اخلاقی گراوٹ کی انتہا ہے۔ اسے یہ سب بہت برا معلوم ہوا کیوں کہ اس نے اس کی تمام ضرورتیں پوری کر دی تھیں، اس کے باوجود اس فقیر کا واپس آنا شہزادے کی شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھانے کے مترادف تھا۔ فقیر کا رویہ طمع اور لالچ کو ظاہر کرتا ہے لیکن قرآن نے دینے والے کو ایک واضح ہدایت دی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (سورۃ الضحیٰ:10)

ترجمہ: ''اور مانگنے والے کو مت جھڑکیں۔''

عبارت نمبر 11

میں نے کہا: سن اے لالچی! تو کیسا فقیر ہے کہ ہرگز فقر کے تینوں حرفوں سے بھی واقف نہیں۔ فقیر کا عمل ان پر چاہیے۔ فقیر بولا: بھلا داتا! تمھیں بتاؤ۔ میں نے کہا: ف سے فاقہ، ق سے قناعت، ر سے ریاضت نکلتی ہے۔ جس میں یہ باتیں نہ ہوں وہ فقیر نہیں۔ اتنا جو تجھے ملا ہے اس کو کھا پی کر پھر آئیو اور جو مانگے گا لے جائیو۔ یہ خیرات احتیاج رفع کرنے کے واسطے ہے نہ کہ جمع کرنے کے لیے۔ اے حریص! چالیس دروازوں سے تو نے ایک اشرفی سے چالیس اشرفیاں تک لیں۔ اس کا حساب تو کر کہ ریوڑی کے پھیر کی طرح کتنی اشرفیاں ہوئیں اور اس پر بھی تجھے حرص پھر پہلے دروازے سے لے آئی! اتنا مال جمع کر کر، کیا کرے گا؟ فقیر کو چاہیے کہ ایک روز کی فکر کرے، دوسرے دن پھر نئی روزی رزّاق دینے والا موجود ہے۔ اب حیا و شرم پکڑ اور صبر و قناعت کو کام فرما۔ یہ کیسی فقیری ہے جو تجھے مرشد نے بتائی ہے؟

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ حاتم طائی کی سخاوت سے متاثر ہو کر فارس کے شہزادے نے چالیس دروازوں کا محل بنوایا جہاں وہ حاجت مندوں میں اشرفیاں تقسیم کرتا تھا۔ ایک فقیر نے ہر دروازے سے باری باری زیادہ رقم کا مطالبہ کیا جسے شہزادے نے پورا کیا، مگر جب وہی فقیر دوبارہ پہلے دروازے پر آ گیا تو شہزادے کی سخاوت آزمائش میں پڑ گئی اور اسے فقیر کی حرص ناگوار گزری۔

تشریح طلب عبارت کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ ایک فقیر کو سخاوت کے بارے میں سمجھانے کی کوشش میں اس کا ردِ عمل سخت اور ناگوار تھا۔ فقیر نے سخاوت کو ایک بوجھ قرار دیتے ہوئے اسے نبھانے کی مشکل بتائی اور کہا کہ ابھی ان کی منزل بہت دور ہے۔ اس نے سخی کے تین حروف (سمائی، خوفِ الٰہی، یادِ آخرت) کی وضاحت کر کے سخاوت کا اصل مفہوم واضح کیا اور بصرے کی بادشاہ زادی کو دنیا کی واحد سچی سخی قرار دیا۔ شہزادے کی منت سماجت کے باوجود وہ فقیر حقارت سے دولت کو ٹھکرا کر وہاں سے چلا گیا۔

تشریح

میر امنؔ کا اسلوبِ بیان نہایت سلیس، رواں اور دل کش ہے۔ انھوں نے درباری اور ثقیل فارسی زدہ زبان کی بجائے خالص ہندوستانی اور دہلی کی عوامی بولی کو اپنایا۔ انھوں نے مقامی رسم و رواج اور تہذیب کو داستان کا حصہ بنایا جس سے اردو ادب میں حقیقت پسندی کا رنگ پیدا ہوا۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف نے فقر، قناعت اور حرص کے فرق کو نہایت بلیغ اور سبق آموز انداز میں واضح کیا ہے۔ اس واقعے میں ایک ایسا شخص سامنے آتا ہے جو اپنے آپ کو فقیر ظاہر کرتا ہے مگر اس کے اندر دنیا کی محبت، مال جمع کرنے کی خواہش اور حرص کا غلبہ موجود ہے۔ اصل میں یہ منظر ایک اخلاقی مکالمہ ہے جس کے ذریعے سچی فقیری کی حقیقت سمجھائی جا رہی ہے کہ صرف لباس یا دعویٰ کسی کو فقیر نہیں بنا دیتا بلکہ اس کے لیے باطنی صفات ضروری ہیں۔

تشریح طلب عبارت میں شہزادہ اس لالچی فقیر کی حالت دیکھ کر اسے سخت لہجے میں مخاطب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے حرص میں مبتلا انسان! تو کیسا فقیر ہے کہ تجھے فقر کے اصل معنی ہی معلوم نہیں۔ تم نے فقیری کو صرف ظاہری حالت اور چند الفاظ تک محدود سمجھ لیا ہے، حالاں کہ فقر ایک مکمل طرزِ زندگی اور باطنی کیفیت کا نام ہے۔ تمھاری حالت یہ ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی فکر میں رہتے ہو اس لیے تم فقر کی حقیقت سے بہت دور ہو۔

؎ فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ (علامہ اقبالؒ)

پھر شہزادہ اسے سمجھاتا ہے کہ فقر کے تین بنیادی اصول ہیں جن کے بغیر فقیری کا تصور بھی مکمل نہیں ہو سکتا۔ ف سے مراد فاقہ ہے، یعنی اپنی ضرورت کے مطابق سادہ زندگی گزارنا اور فضول خواہشات سے بچنا۔ ق سے مراد قناعت ہے، یعنی جو کچھ میسر ہو اس پر خوش رہنا اور مزید کی خواہش کو دل سے نکال دینا۔ ر سے مراد ریاضت ہے، یعنی نفس کو قابو میں رکھنا، محنت اور سادگی کو اختیار کرنا اور دنیا کے لالچ سے بچنا۔ اگر کسی شخص میں یہ تین صفات نہ ہوں تو وہ خواہ خود کو فقیر کہے، حقیقت میں وہ فقیر نہیں بلکہ دنیا کا غلام ہے۔ اس کے دل سے دنیا کے مال و دولت کی حرص کبھی ختم نہیں ہوتی۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ، حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (سورۃ التکاثر:2,1)

ترجمہ: ”زیادہ سے زیادہ (مال و اولاد) حاصل کرنے کی ہوس نے تمھیں غافل کر دیا یہاں تک تم قبروں میں جا پہنچے۔“

اس کے بعد شہزادہ اسے نصیحت کرتا ہے کہ جو کچھ تمھیں روزی میں مل جائے اسے کھا پی کر اپنی ضرورت پوری کرو اور پھر دوبارہ محنت کے ذریعے حاصل کرو، لیکن اسے جمع کرنے اور ذخیرہ کرنے کی عادت نہ ڈالو۔ کیوں کہ یہ خیرات اور مدد اس لیے دی جاتی ہے کہ انسان اپنی فوری ضرورت پوری کرے، نہ کہ اسے دولت جمع کرنے کا ذریعہ بنا لے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی حاجت کے مطابق لے اور پھر آگے بڑھ جائے، نہ کہ لالچ میں مبتلا ہو کر دوسروں کے حق پر قبضہ کرے۔

شہزادہ اس کی حرص کی مثال دیتے ہوئے اسے شرمندہ کرتا ہے کہ تم نے ایک اشرفی سے آغاز کیا اور مختلف دروازوں پر جا کر چالیس اشرفیاں جمع کر لیں۔ یعنی تم نے معمولی ضرورت کے بہانے بار بار مانگ کر غیر ضروری طور پر مال جمع کیا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی چیز بار بار گھمائی جائے اور اس کا حساب ہی نہ رہے۔ اسی طرح تمھاری حرص نے تمھیں اندھا کر دیا ہے اور تمھیں احساس ہی نہیں رہا کہ تم کس حد تک پہنچ چکے ہو۔ حضرت علیؓ کا فرمان ہے:

”طمع (لالچ) ہمیشہ کی غلامی ہے اور قناعت وہ لازوال دولت ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔“

اسے جھنجھوڑتے ہوئے شہزادہ کہتا ہے کہ حیرت کی بات یہ ہے کہ تمھارے پاس پہلے ہی کافی مال جمع ہو چکا ہے، اس کے باوجود تمھاری حرص ختم نہیں ہوئی بلکہ تم دوبارہ اسی راستے پر چل پڑے ہو۔ تم دوبارہ پہلے دروازے پر واپس جا کر مانگنے لگے ہو، جو اس بات کی علامت ہے کہ تمھاری خواہشات کی کوئی حد نہیں۔ یہ رویہ تمھیں کبھی سکون نہیں دے سکتا کیوں کہ حرص انسان کو ہمیشہ مزید کی

طرف دھکیلتی رہتی ہے اور اسے موجودہ نعمتوں کی قدر نہیں کرنے دیتی۔

اس کے بعد اسے زندگی کا ایک بنیادی اصول سمجھایا جاتا ہے کہ اصل فقیر وہ ہے جو صرف آج کی فکر کرے اور کل کے رزق کے بارے میں بے فکر ہو جائے، کیوں کہ روزی دینے والا ہمیشہ موجود ہے اور وہی ہر مخلوق کو اس کی ضرورت کے مطابق عطا کرتا ہے۔ جب انسان اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے تو وہ مال جمع کرنے کی فکر سے آزاد ہو جاتا ہے اور سکون و اطمینان کی زندگی گزارتا ہے۔ لیکن جو شخص اس حقیقت کو نظر انداز کرتا ہے وہ ہمیشہ بے چینی اور لالچ میں مبتلا رہتا ہے۔

؎ نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے (علامہ اقبالؒ)

آخر میں اسے سختی سے نصیحت کی جاتی ہے کہ اب تمھیں چاہیے کہ اپنی حالت پر غور کرو، شرم و حیا کو اختیار کرو اور صبر و قناعت کو اپنی زندگی کا حصہ بنالو۔ تم جس طرزِ زندگی کو فقیری سمجھ رہے ہو وہ دراصل فقر نہیں بلکہ حرص، دنیا طلبی اور لالچ ہے۔ اصل فقیری تو وہ ہے جس میں انسان سادگی، خودداری اور قناعت اختیار کرے اور اپنی ضرورت کے مطابق زندگی گزارے۔ دراصل حقیقی سکون مال و دولت میں نہیں بلکہ قناعت، سادگی اور اللہ پر بھروسے میں ہے اور یہی اصل فقیری کی روح ہے۔

عبارت نمبر 12

فقیر یہ میری بات سن کر خفا اور بد دماغ ہوا اور جتنا مجھ سے لے کر جمع کیا تھا، سب زمین میں ڈال دیا اور بولا: بس بابا! اتنے گرم مت ہو۔ اپنی کائنات لے کر رکھ چھوڑو۔ پھر سخاوت کا نام نہ لیجو، سخی ہونا بہت مشکل ہے۔ تم سخاوت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے، اس منزل کو کب پہنچو گے؟ ابھی دِلّی دور ہے! ''سخی'' کے بھی تین حرف ہیں، پہلے ان پر عمل کرو، تب سخی کہلاؤ۔ تب تو میں ڈرا اور کہا: بھلا داتا! اس کے معنے مجھے سمجھاؤ۔ کہنے لگا: س سے سمائی، خ سے خوفِ الٰہی اور ی سے یاد رکھنا اپنی پیدائش اور مرنے کو۔ جب تلک اتنا نہ ہو لے تو سخاوت کا نام نہ لے۔ اور سخی کا یہ درجہ ہے کہ اگر بدکار ہو، تو بھی دوست خدا کا ہے۔ اس فقیر نے بہت ملکوں کی سیر کی ہے، لیکن سوائے بصرے کی بادشاہ زادی کے، کوئی سخی دیکھنے میں نہ آیا۔ سخاوت کا خاصہ خدا نے اس عورت پر قطع کیا ہے۔ اور سب نام چاہتے ہیں پر ویسا کام نہیں کرتے۔ یہ سن کر میں نے بہت منّت کی اور قسمیں دیں کہ میری تقصیر معاف کرو اور جو چاہیے، سو لو۔ میرا دیا ہرگز نہ لیا، اور یہ بات کہتا ہوا چلا:

''اب اگر اپنی ساری بادشاہت مجھے دے تو اس پر بھی نہ تھوکوں۔

سیاق و سباق

تشریح طلب عبارت سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ فارس کے ایک شہزادے نے حاتم طائی کی سخاوت کا قصہ سنا، جس نے ایک غریب لکڑہارے کی خاطر اپنی جان داؤ پر لگا دی تھی۔ اس سے متاثر ہو کر شہزادے نے چالیس دروازوں والا ایک محل بنوایا تاکہ حاجت مندوں کی بلا امتیاز مدد کر سکے۔ شہزادہ روزانہ آنے والے سائلوں کی ضروریات پوری کرتا رہا۔ ایک بار ایک فقیر نے چالیسوں دروازوں سے باری باری آ کر رقم مانگی اور ہر بار تعداد میں اضافہ کرتا رہا۔ جب وہ دوبارہ پہلے دروازے پر آیا تو شہزادے نے اس کی حرص پر اسے ٹوکا اور واضح کیا کہ فقیری کا اصل مفہوم فاقہ، قناعت اور ریاضت ہے، نہ کہ دولت جمع کرنا۔ شہزادے نے اسے سمجھایا کہ خیرات محض ضرورت پوری کرنے کے لیے ہے، مال جمع کرنے کے لیے نہیں۔

تشریح طلب عبارت سبق کی آخری عبارت ہے اس لیے اس کا سباق نہیں ہے۔

تشریح

میر امّن کا اسلوبِ بیان نہایت سلیس، رواں اور دل کش ہے۔ انھوں نے درباری اور ثقیل فارسی زدہ زبان کی بجائے خالص ہندوستانی اور دہلی کی عوامی بولی کو اپنایا۔ انھوں نے مقامی رسم و رواج اور تہذیب کو داستان کا حصہ بنایا جس سے اردو ادب میں حقیقت پسندی کا رنگ پیدا ہوا۔

تشریح طلب عبارت میں مصنف بتاتے ہیں کہ دوسرا درویش، جو دراصل ملک ایران کا بادشاہ زادہ تھا، اپنی زندگی میں پیش آنے والے حیرت انگیز واقعات اور اپنی طویل مسافت کی روداد بیان کر رہا ہے۔ یہ درویش اپنی بادشاہت اور تمام تر آسائشوں کو خیر باد کہہ کر فقیروں اور صوفیوں کی تلاش میں نکلا تھا تا کہ معرفتِ الٰہی اور حقیقت کی منزل پا سکے۔ اس عبارت میں وہ اس وقت کا ذکر کر رہا ہے جب اس نے اپنی سخاوت اور دولت کے زعم میں ایک بزرگ فقیر کو کچھ پیش کرنے کی کوشش کی، مگر اس فقیر نے اس کی دولت کو ٹھکرا دیا اور اسے سخاوت کا حقیقی اور روحانی مفہوم سمجھایا۔

جب شہزادہ اپنی دولت کے بل بوتے پر فقیری کا رعب جمانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ درویش اس کی حرکت پر انتہائی ناراض ہو جاتا ہے۔ وہ شہزادے کی دی ہوئی تمام دولت زمین پر پھینک دیتا ہے کیوں کہ اس کے نزدیک وہ سخاوت نہیں بلکہ تکبر اور دنیاداری کا اظہار تھا۔ وہ شہزادے کو تنبیہ کرتا ہے کہ محض مال و دولت لٹا دینے سے کوئی سخی نہیں بن جاتا۔ وہ اسے یاد دلاتا ہے کہ سخی بننا بہت حوصلہ طلب کام ہے اور جس سخاوت کا وہ مظاہرہ کر رہا ہے، وہ درحقیقت اس کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں ہے۔ وہ اسے واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ تم ابھی اپنی منزل سے بہت دور ہو، یعنی تم نے ابھی تک فقیری اور سچائی کا وہ بلند مقام حاصل نہیں کیا جہاں سچی سخاوت جنم لیتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ (سورۃ النساء آیت:38)

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جو اپنے مال دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔''

اور بقول شاعر:

؎ ادا ہوتا نہیں صدقہ دکھاوے کی سخاوت سے خدا ملتا نہیں ہرگز بناوٹ کی عبادت سے

بزرگ درویش سخاوت کے لفظ کے تین حروف کو ایک اخلاقی فلسفے کی شکل میں بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر تم سخی کہلانے کے خواہش مند ہو تو پہلے اپنے اندر یہ تین صفات پیدا کرو۔ ''س'' سے مراد سمائی یعنی وسعتِ قلبی ہے، یعنی انسان کے دل میں سب کے لیے جگہ ہو اور وہ دوسروں کی غلطیوں کو برداشت کرنے کا مادہ رکھے۔ ''خ'' سے مراد خوفِ الٰہی ہے، یعنی دل میں اللہ کا ایسا ڈر ہو جو انسان کو ہر لمحہ غلط راستے پر چلنے سے روکے۔ اور ''ی'' سے مراد یہ یاد رکھنا ہے کہ انسان اپنی پیدائش کے وقت کیا تھا اور اسے ایک دن فنا ہو کر قبر میں جانا ہے۔ جو شخص ان تین باتوں کو اپنے عمل کا حصہ بنا لے، صرف وہی سخی کہلانے کا حق دار ہے۔ اس کے بعد وہ ایک بہت اہم بات کہتا ہے کہ سچی سخاوت کا درجہ اتنا بلند ہے کہ اگر کوئی شخص بظاہر گنہگار بھی ہو، لیکن اس کے اندر سخاوت کا جذبہ موجود ہو تو وہ بھی خدا کا دوست ہے۔

وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اس فقیر نے دنیا بھر کی سیر کی ہے، بڑے بڑے امیروں اور بادشاہوں کو قریب سے دیکھا ہے، لیکن اس نے سوائے بصرہ کی ایک بادشاہ زادی کے کسی کو سچا سخی نہیں پایا۔ وہ عورت اس سخاوت کا حقیقی نمونہ ہے جسے خدا نے سخاوت کے لیے چن لیا ہے۔ باقی لوگ تو صرف نام کے سخی بنتے ہیں اور سخاوت کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ ان کا مقصد صرف اپنی تعریف سننا اور شہرت حاصل کرنا ہوتا ہے، جب کہ سچی سخاوت نمود و نمائش سے کوسوں دور ہوتی ہے۔ وہ لوگ کام کچھ نہیں کرتے بس نام کمانا چاہتے ہیں، جس سے خدا راضی نہیں ہوتا۔

آخر میں یہ واقعہ اس بات پر ختم ہوتا ہے کہ شہزادہ اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے اس فقیر سے معافی مانگتا ہے اور اصرار کرتا ہے کہ وہ اس کا دیا ہوا ہدیہ قبول کر لے، لیکن وہ فقیر اتنا بے نیاز اور خوددار ہے کہ وہ اس کی دی ہوئی اشرفیوں کو حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے۔ وہ شہزادے کی منت سماجت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور اسے یہ کہہ کر چلا جاتا ہے کہ اب اگر تم اپنی پوری بادشاہت بھی میرے قدموں میں لا کر رکھ دو تو میں اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کروں گا۔

؎ نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں (علامہ اقبالؒ)

اس عبارت میں مصنف نے دراصل دنیوی شان وشوکت اور روحانی عظمت کے درمیان فرق کو واضح کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اصل دولت مال وزر نہیں بلکہ دل کا پاکیزہ ہونا، خدا کا خوف رکھنا، عاجزی اختیار کرنا اور کسی بھی لالچ یا نمود ونمائش کے بغیر دوسروں کے کام آنا ہے۔ جو انسان خود کو دولت کا مالک سمجھ کر دوسروں پر احسان جتلائے، وہ درحقیقت اپنی خودی اور انا کی قید میں ہے اور جب تک وہ اس انا کو نہیں مارتا، وہ کبھی سچی سخاوت کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ فقیر کا ردِعمل اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ روحانیت کی دنیا میں دنیاوی مال و دولت کی کوئی اہمیت نہیں ہے، وہاں صرف دل کی نیت اور عمل کی سچائی دیکھی جاتی ہے۔ اس عبارت میں مصنف نے انسان کو اپنی زندگی کے مقصد اور رویوں پر غور کرنے کی دعوت دی ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، کیا وہ واقعی خلوصِ نیت سے ہے یا صرف دنیا کو دکھانے کے لیے؟ سچی نیکی وہی ہے جو انسان کو اپنی ذات سے نکال کر خدا کی محبت اور انسانیت کی خدمت کی طرف لے جائے۔ اور سچی سخاوت وہی ہے جس میں دینے والا یہ بھول جائے کہ اس نے کچھ دیا ہے اور لینے والا بھی اپنے آپ کو کسی کا مقروض نہ سمجھے۔ یہی وہ روحانی تعلق ہے جو بندے کو خدا کا قُرب عطا کرتا ہے اور اسے حقیقی معنی میں سخی کا لقب عطا کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ (سورۃ البقرہ:263)

ترجمہ: ”ایک اچھی بات (نرمی سے بات کرنا) اور درگزر کرنا، اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد (لینے والے کو) تکلیف پہنچائی جائے اور اللہ بے نیاز اور بردبار ہے۔“

مشقی سوالات

1 مختصر جواب دیں۔

(الف) دوسرے درویش نے ملکِ فارس کے بارے میں کیا بتایا؟

جواب: دوسرے درویش نے بتایا کہ فارس ایسا ملک ہے جہاں ہر فن کے آدمی پیدا ہوئے اس لیے مشہور ہے ”اصفہان، نصفِ جہان“۔ ہفت اقلیم میں اس کے برابر کوئی ولایت نہیں۔ وہ ساتوں کواکب میں نیرِ اعظم ہے۔ وہاں کی آب وہوا خوش گوار ہے۔ وہاں کے لوگ روشن طبع اور سلیقہ مند ہیں۔

(ب) دوسرے درویش کے والد نے کس طرح بیٹے کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دی؟

جواب: دوسرے درویش کے باپ نے اس کی تعلیم وتربیت کا بہت خاص اہتمام کیا۔ بڑے بڑے دانا استاد اس کے لیے مقرر کیے گئے۔ ہر علم اور فن کے ماہر اس کے لیے اتالیق مقرر کیے گئے۔ اس سب کوشش سے وہ 14 برس کی عمر میں سب علوم کا ماہر ہو گیا۔

(ج) دوسرے درویش کے مطابق حاتم طائی کا قصہ کس نے سنایا تھا؟

جواب: دوسرے درویش کے سامنے حاتم طائی کا قصہ ایک دانا مصاحب نے بیان کیا۔ وہ تاریخ کا ماہر اور جہاں دیدہ تھا۔ اس نے بتایا کہ حاتم طائی اتنا سخی اور خدا ترس تھا کہ لوگوں کی خاطر اپنی جان بھی قربان کر سکتا تھا۔

(د) جنگل سے لکڑیاں چننے والا بوڑھا اور بڑھیا کیا گفت گو کر رہے تھے؟

جواب: بڑھیا بولی کہ اگر ہمارے دن کچھ بھلے آتے تو حاتم کو کہیں دیکھ پاتے اور اس کو پکڑ کر نوفل کے پاس لے جاتے۔ وہ پانچ سو اشرفی دیتا اور ہم آرام سے کھاتے، اس دکھ دھندے سے چھوٹ جاتے۔ بوڑھے نے کہا: ہمارے طالع میں یہی لکھا ہے کہ روز لکڑیاں توڑیں اور سر پر دھر کر بازار میں بیچیں تب لون روٹی میسر آوے یا ایک روز جنگل سے باگھ لے جاوے۔ لے اپنا کام کر۔ ہمارے ہاتھ حاتم کا ہے کو آوے گا اور بادشاہ سے اتنے روپے دلاوے گا! عورت نے ٹھنڈی سانس بھری اور چپکی ہو رہی۔

(ہ) حاتم طائی نے لکڑہارے کی گفت گو سن کر کیا فیصلہ کیا؟

جواب: حاتم طائی نے ان دونوں کی باتیں سن کر فیصلہ کیا کہ وہ خود کو ان کے حوالے کر دے گا تا کہ وہ اسے نوفل کو دے کر اشرفیاں حاصل کر سکیں۔ اس کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنی جان کی فکر کرے اور بے بسوں کے کام نہ آئے۔

۲ سبق کے متن کے مطابق درست جواب کا انتخاب کریں۔

(الف) دوسرے درویش کے کہنے کی نوبت آئی تو وہ بیٹھا:

(i) اکڑوں (ii) سیدھا (iii) چار زانو (iv) دوزانو

(ب) دوسرے درویش نے اپنی سیر کا احوال سنایا:

(i) اشعار پڑھ کر (ii) اقوال پڑھ کر (iii) احوال و آثار پڑھ کر (iv) اخبار پڑھ کر

(ج) ہفت اقلیم میں اس اقلیم کے برابر کوئی ولایت نہیں کہ وہاں کا ستارا ہے:

(i) زہرا (ii) عطارد (iii) آفتاب (iv) ماہ تاب

(د) حاتم طائی کے وقت میں عرب کا بادشاہ تھا:

(i) قارون (ii) نوفل (iii) سکندر (iv) نوشیرواں

(ہ) بادشاہ کی سرکار سے انعام پانے کے لالچ میں سب جستجو کرنے لگے:

(i) لکڑہارے کی (ii) حاتم طائی کی (iii) شہزادے کی (iv) بادشاہ کے وزیر کی

جوابات

الف	چار زانو	ب	اشعار پڑھ کر	ج	آفتاب	د	نوفل	ہ	حاتم طائی کی

۳ درج ذیل بیانات درست ہیں یا غلط نشان دہی کریں:

(الف) اے دلق پوشو! یہ عاجز بادشاہ زادہ چین کے ملک کا ہے۔ درست غلط

(ب) ''اصفہان، نصفِ جہان'' مشہور ہے۔ درست غلط

(ج) آب و ہوا وہاں کی خوش اور لوگ روشن طبع ہوتے ہیں۔ درست غلط

(د) عورت نے ٹھنڈی سانس بھری اور چپکی ہو رہی۔ درست غلط

(ہ) سچ ہے اگر آدمی میں رحم نہیں تو وہ انسان نہیں۔ درست غلط

جوابات

الف	غلط	ب	درست	ج	درست	د	درست	ہ	درست

۴ سبق ''سیر دوسرے درویش کی'' کا خلاصہ تحریر کریں۔

جواب: دیکھیے سبق کا خلاصہ

۵ حاتم طائی کے کردار پر اظہارِ خیال کریں۔

جواب: حاتم طائی کا کردار قابلِ رشک ہے۔ وہ اپنی سخاوت کے حوالے سے زمانے میں شہرت رکھتے تھے۔ ان کے دروازے پر آنے والا سوالی خالی ہاتھ نہ لوٹتا تھا۔ ان کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ جب نوفل نے اس کے ملک پر حملہ کیا تو انھوں نے لوگوں کے جان و مال بچانے کی خاطر خود کو حکومت سے الگ کر لیا۔ وہ ملک چھوڑ کر روپوش ہو گئے۔ نوفل نے ان کی گرفتاری کے لیے بہت بڑے انعام کا اعلان کر دیا۔

کوئی بھی حاتم طائی کو تلاش نہ کر سکا۔ ایک دن جب حاتم نے غریب لکڑہارے اور اس کی بیوی کی باتیں سنیں تو ان کی مدد

کے لیے خود غار سے باہر آ گئے۔ ان کی زندگی کا مقصد دوسروں کے کام آنا تھا۔ ان کے نزدیک رحم ہی انسان کی اصل پہچان ہے۔ اگر رحم نہ ہو تو انسان کیسا۔

۶ ذیل میں دیے گئے الفاظ کے کسی مستند لغات سے مطالب تلاش کریں۔

چارزانو، دلق پوش، ہفت اقلیم، ولایت، کواکب،
اولوالعزم، قُرق، طمع، دلاوری، تفاوت

جواب:

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
چارزانو	آلتی پالتی مار کر بیٹھنا	اوالعزم	باہمت/فراخ حوصلہ
دلق پوش	صوفیوں کا موٹا لباس/ گدڑی پہنے ہوئے	قرق	ضبطی/بندش
ہفت اقلیم	سات ملک، عرب، ایران، توران، ہند، چین، مصر، یونان	طمع	لالچ
ولایت	حکومت/صوبہ کا انتظام	دلاوری	بہادری
کواکب	کوکب کی جمع/ستارے	تفاوت	فرق/جدائی

۷ اس سبق میں استعمال ہونے والی تراکیب اور مرکبات کی فہرست بنائیں اور ان کا مفہوم لکھیں۔

جواب: رہنمائی کے لیے دیکھیے سبق کے شروع میں دیے گئے الفاظ معانی

۸ اس سبق کی روشنی میں 'فقر' اور 'سخی' کے الفاظ کی حرف بہ حرف وضاحت کریں۔

جواب: فقر: ف سے فاقہ ق سے قناعت ر سے ریاضت
سخی: س سے سمائی خ سے خوفِ الٰہی ی سے یاد رکھنا پیدائش اور مرنے کو

۹ تلمیح کی تعریف بیان کریں اور درج ذیل تلمیحات کی وضاحت کریں:

صبرِ ایوبؑ گریۂ یعقوبؑ اورنگِ سلیمانؑ طائرِ سدرہ چاہِ یوسفؑ

جواب:

تلمیح	وضاحت
صبرِ ایوبؑ	حضرت ایوبؑ کو سخت بیماری اور تنہائی کی آزمائش میں ڈالا گیا لیکن انھوں نے ہر حال میں صبر کیا۔ اس لیے ان کا صبر زمانے میں مشہور ہے۔
گریۂ یعقوبؑ	حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے حضرت یوسفؑ کی جدائی میں دن رات گریہ کرتے رہے۔ ہر وقت کی گریہ و زاری سے ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ اس لیے ان کا گریہ مشہور ہے۔
اورنگِ سلیمان	حضرت سلیمانؑ کو اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کی بادشاہت عطا فرمائی تھی۔ اتنی بڑی سلطنت اور حکومت اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دی۔
طائرِ سدرہ	یہ حضرت جبریلؑ کا لقب ہے۔ کیوں کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ تک جا سکتے ہیں اس لیے آپؑ کو طائرِ سدرہ کہا جاتا ہے۔
چاہِ یوسفؑ	وہ کنواں جس میں حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے آپ کو گرایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی حفاظت فرمائی اور مصر کا تخت و تاج عطا فرمایا۔

۱۰ سبق کی روشنی میں درج ذیل بیانات کی وضاحت کریں۔

(الف) آب و ہوا وہاں کی خوش اور لوگ روشن طبع اور صاحبِ سلیقہ ہوتے ہیں۔

(ب) مردمی اور مروّت سے بعید جانا کہ اپنے تئیں چھپائے اور جان کو بچائے اور ان دونوں بے چاروں کو مطلب تک نہ پہنچائے۔

(ج) تواضع، تعظیم کر کے پاس بٹھلایا اور حاتم کا ملک و املاک اور مال و اسباب جو کچھ ضبط کیا تھا وہیں چھوڑ دیا۔

جواب: دیکھیے حصہ تشریحات

سبق سے متعلق کثیر الانتخابی سوالات

☆ ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات دیے گئے ہیں، صحیح جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ دوسرے درویش کا تعلق ہے:
(الف) ایران سے (ب) عرب سے (ج) فارس سے (د) روم سے (ج)

2۔ اصفہان کے بارے میں مشہور ہے:
(الف) جنت نظیر (ب) نصف جہان (ج) تجارتی مرکز (د) علمی گڑھ (ب)

3۔ شہزادے کے والد تھے:
(الف) فارس کے بادشاہ (ب) اصفہان کے والی (ج) عرب کے حاکم (د) کوئی نہیں (الف)

4۔ شہزادے کی تربیت کے لیے تقرر ہوا:
(الف) وزیر کا (ب) اتالیق کا (ج) سپہ سالار کا (د) درویش کا (ب)

5۔ شہزادے نے علوم سیکھے تھے:
(الف) لڑکپن میں (ب) جوانی میں (ج) بڑھاپے میں (د) سفر میں (الف)

6۔ شہزادے کا بچپن سے شوق تھا:
(الف) شکار (ب) سفر (ج) قصے سننا (د) موسیقی (ج)

7۔ شہزادے کے دربار میں مصاحب تھے:
(الف) ایک (ب) بہت سے (ج) کوئی نہیں (د) چند (ب)

8۔ حاتم طائی کا قصہ شہزادے کو سنایا:
(الف) والد نے (ب) وزیر نے (ج) مصاحب نے (د) استاد نے (ج)

9۔ حاتم طائی مشہور تھا:
(الف) بہادری میں (ب) سخاوت میں (ج) دولت میں (د) چالاکی میں (ب)

10۔ حاتم طائی سے دشمنی تھی:
(الف) قیصر کو (ب) نوشیرواں کو (ج) بادشاہ نوفل کو (د) شہزادہ فارس کو (ج)

11۔ بادشاہ نوفل کو حاتم طائی سے دشمنی تھی:
(الف) بلاوجہ (ب) حسد کی وجہ سے (ج) لڑائی سے (د) مال سے (ب)

12۔ حاتم طائی کو گرفتار کرنے کا انعام رکھا گیا:
(الف) 100 اشرفی (ب) 200 اشرفی (ج) 500 اشرفی (د) 1000 اشرفی (ج)

13۔ حاتم طائی چھپا ہوا تھا:
(الف) غار میں (ب) محل میں (ج) جنگل میں (د) حویلی میں (الف)

14۔ لکڑہارے کی بیوی نے سنا تھا حاتم کا:
(الف) نام (ب) قصہ (ج) مقام (د) چہرہ (الف)

15۔ لکڑہارے کی بیوی کی خواہش تھی:
(الف) گھر کی (ب) انعام کی (ج) شہرت کی (د) سفر کی (ب)

16۔ لکڑہارے نے بادشاہ سے مانگا تھا:
(الف) روٹی (ب) انعام (ج) زمین (د) کپڑے (ب)

17۔ حاتم نے غار میں چھپ کر کی:
(الف) عبادت (ب) آرام (ج) جان کی حفاظت (د) تلاوت (ج)

18۔ حاتم کا باہر نکل کر خود کو پیش کرنا علامت ہے:
(الف) ڈر کی (ب) غیرت کی (ج) لاچاری کی (د) تکبر کی (ب)

19۔ حاتم کو دیکھ کر بوڑھے کا ردِعمل تھا:
(الف) خوشی (ب) پریشانی (ج) غصہ (د) حیرت (ب)

20۔ دربار میں حاتم کو پکڑنے کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا:
(الف) وزیر نے (ب) سپاہیوں نے (ج) بہت سے لوگوں نے (د) لکڑہارے نے (ج)

21۔ دربار میں حاتم کی سچائی سے فائدہ ہوا:
(الف) بوڑھے لکڑہارے کو (ب) شہزادے کو (ج) بادشاہ کو (د) وزیر کو (الف)

22۔ حاتم کی سچائی سے متاثر ہوا:
(الف) شہزادہ (ب) درویش (ج) بادشاہ نوفل (د) وزیر (ج)

23۔ حاتم کی شخصیت میں خاص خوبی تھی:
(الف) بہادری (ب) فیاضی (ج) دیانت (د) سبھی (د)

24۔ حاتم طائی کے قصے نے شہزادے پر ڈالا:
(الف) اچھا اثر (ب) برا اثر (ج) کوئی اثر نہیں (د) خوف (الف)

25۔ شہزادہ بننا چاہتا تھا:
(الف) فاتح (ب) سخی (ج) عالم (د) تاجر (ب)

26۔ شہزادے نے سخاوت دکھانے کے لیے تعمیر کرائی:
(الف) مسجد (ب) سرائے (ج) چالیس دروازوں کی عمارت (د) ہسپتال (ج)

27۔ شہزادے کی عمارت کا ہر دروازہ علامت تھا:
(الف) سخاوت کی (ب) تکبر کی (ج) شہرت کی (د) دولت کی (الف)

28۔ شہزادے نے عمارت بنوائی:
(الف) شہر کے اندر (ب) شہر کے باہر (ج) پہاڑ پر (د) دریا کے کنارے (ب)

29۔ شہزادے کی عمارت کے دروازے تھے:
(الف) دس (ب) بیس (ج) چالیس (د) پچاس (ج)

30۔ شہزادے کا معمول تھا سائلوں کو دینا:
(الف) کپڑے (ب) کھانا (ج) زیورات (د) اشرفیاں (د)

31۔ شہزادے نے دولت تقسیم کی:
(الف) چھپ کر (ب) کھلے عام (ج) مجبور ہو کر (د) خوشی سے (ب)

32۔ شہزادے کے محل میں سخاوت کا عمل تھا:
(الف) عوامی (ب) شاہی (ج) دکھاوے کا (د) جذباتی (ج)

33۔ شہزادے نے سخاوت کی تھی:
(الف) شہرت کے لیے (ب) اللہ کے لیے (ج) مجبوری کے لیے (د) ریا کے لیے (د)

34۔ کہانی میں دکھاوے کی سخاوت کو قرار دیا گیا:
(الف) گناہ (ب) فضول (ج) کمال (د) کچھ نہیں (ب)

35۔ شہزادے کے نزدیک فقیری ہے:
(الف) مال (ب) بادشاہی (ج) ریاضت (د) طاقت (ج)

36۔ شہزادے کے پاس دولت تھی:
(الف) بے شمار (ب) تھوڑی (ج) ختم (د) کچھ نہیں (الف)

37۔ سائلوں کا شہزادے کے پاس آنا تھا:
(الف) ہفتہ وار (ب) روزانہ (ج) کبھی کبھی (د) سالانہ (ب)

38۔ چالیسویں دروازے پر فقیر نے مانگیں:
(الف) دس اشرفیاں (ب) بیس اشرفیاں (ج) چالیس اشرفیاں (د) پچاس اشرفیاں (ج)

39۔ فقیر کا بار بار آنا تھا:
(الف) امتحان (ب) مذاق (ج) ضرورت (د) کام (الف)

40۔ فقیر کا رویہ شہزادے کے لیے تھا:
(الف) تباہ کن (ب) اصلاحی (ج) مذاق (د) کوئی نہیں (ب)

41۔ فقیر کا لباس تھا سادہ مگر گفت گو تھی:
(الف) پراثر (ب) فضول (ج) عامیانہ (د) طویل (الف)

42۔ فقیر کے بار بار آنے پر شہزادے کو آیا:
(الف) ترس (ب) غصہ (ج) شک (د) رحم (ب)

43۔ شہزادے نے فقیر کو پکارا:
(الف) درویش (ب) سائل (ج) لالچی (د) مسافر (ج)

44۔ شہزادے کو فقیر کا رویہ لگا:
(الف) گستاخانہ (ب) مناسب (ج) عجیب (د) اچھا (الف)

45۔ فقیر نے شہزادے کو کی:
(الف) نصیحت (ب) وصیت (ج) سرزنش (د) تنبیہ (الف)

46۔ فقیر نے شہزادے کی دولت کو قرار دیا تھا:
(الف) حرام (ب) بوجھ (ج) حقیر (د) معمولی (ب)

47۔ فقیر نے اشرفیوں کو سمجھا تھا:
(الف) بوجھ (ب) نعمت (ج) حق (د) خیرات (الف)

48۔ فقیر نے اشرفیوں کو ٹھکرا کر شہزادے کو احساس دلایا:
(الف) غلطی کا (ب) فقیر کی طاقت کا (ج) دولت کی بے قدری کا (د) سبھی کا (د)

49۔ فقیر کی بات کا شہزادے پر اثر ہوا:
(الف) برا (ب) اچھا (ج) گہرا (د) معمولی (ج)

50۔ شہزادے نے اشرفیاں واپس دیں:
(الف) غصے میں (ب) پچھتاوے میں (ج) مجبوری میں (د) ہنسی میں (ب)

51۔ شہزادے کی بات سن کر فقیر نے اشرفیاں:
(الف) رکھ لیں (ب) بانٹ دیں (ج) زمین پر ڈال دیں (د) واپس کر دیں (ج)

52۔ فقیر کے بقول سخی ہونا ہے:
(الف) آسان (ب) مشکل (ج) ناممکن (د) فطری (ب)

53۔ فقر کے مفہوم میں شامل ہے:
(الف) فاقہ (ب) قناعت (ج) ریاضت (د) سبھی (د)

54۔ شہزادے نے اپنی غلطی مان کر فقیر سے کی:
(الف) لڑائی (ب) منت سماجت (ج) دوستی (د) بحث (ب)

55۔ شہزادے کے لیے فقیر تھا:
(الف) رہبر (ب) دشمن (ج) سائل (د) اجنبی (الف)

56۔ فقیر نے شہزادے کو کیا تھا:
(الف) امیر (ب) بے نقاب (ج) پریشان (د) خوش (ب)

57۔ شہزادے کی زندگی میں ٹھہراؤ آیا تھا:
(الف) درویش کی بات سے (ب) بادشاہی سے (ج) محل سے (د) دولت سے (الف)

58۔ سب سے بڑا امتحان ہے:
(الف) دولت کھونا (ب) انا چھوڑنا (ج) سفر کرنا (د) بادشاہت چھوڑنا (ب)

59۔ کہانی میں انا کا خاتمہ ہے:
(الف) روحانی بلندی (ب) ہوس (ج) دکھاوا (د) تجسس (الف)

60۔ سچی سخاوت جس کے پاس تھی، وہ تھی:
(الف) اصفہان کی بیگم (ب) بصرے کی بادشاہ زادی (ج) شہزادے کی ماں (د) کوئی نہیں (ب)

61۔ سچی سخاوت کا ذکر کہاں کا ہے؟
(الف) بصرہ (ب) اصفہان (ج) فارس (د) کوئی نہیں (الف)

62۔ بصرے کی بادشاہ زادی کے بارے میں سن کر شہزادہ ہوا:
(الف) پریشان (ب) متجسس (ج) خوش (د) غصہ (ب)

63۔ بصرے کی بادشاہ زادی کی تھی:
(الف) مثالی سخاوت (ب) عام شخصیت (ج) خیالی کردار (د) زیادہ دولت (الف)

64۔ بصرے کی بادشاہ زادی کے بارے میں فقیر کا خیال تھا:
(الف) سچی سخی (ب) جھوٹی سخی (ج) مغرور (د) عام عورت (الف)

65۔ شہزادے کا بصرہ جانے کا فیصلہ، نتیجہ تھا:
(الف) غصے کا (ب) ندامت کا (ج) شوق کا (د) مجبوری کا (ب)

66۔ شہزادے نے بصرے کے سفر میں اختیار کیا:
(الف) فقیروں کا بھیس (ب) شاہی لباس (ج) تاجر کا بھیس (د) سپاہی (الف)

67۔ شہزادہ بصرہ جا رہا تھا:
(الف) جہاز سے (ب) پیدل (ج) گھوڑے پر (د) کارواں سے (ب)

68۔ شہزادے کا بصرے کا سفر تھا:
(الف) آزمائش (ب) تفریح (ج) کاروبار (د) آرام (الف)

69۔ شہزادے نے اپنا محل چھوڑا تھا:
(الف) خوشی سے (ب) مجبوری سے (ج) توبہ کر کے (د) کچھ نہیں (ج)

70۔ شہزادے نے اپنے شاہی ٹھاٹ باٹ کو کہا:
(الف) خیر باد (ب) سلام (ج) یاد (د) کچھ نہیں (الف)

71۔ شہزادے کا تخت و تاج چھوڑنا اظہار ہے:
(الف) پاگل پن کا (ب) روحانی بیداری کا (ج) فرار کا (د) مایوسی کا (ب)

72۔ شہزادے نے دنیا کو سمجھا تھا:
(الف) فانی (ب) ابدی (ج) عظیم (د) کچھ نہیں (الف)

73۔ شہزادے نے اپنی انا کو کیا:
(الف) مضبوط (ب) ختم (ج) بلند (د) ظاہر (ب)

74۔ شہزادے کا مقصدِ حیات بدل گیا تھا:
(الف) دولت کمانے میں (ب) سلطنت بڑھانے میں (ج) سچائی ڈھونڈنے میں (د) سفر میں (ج)

75۔ شہزادے کا آخری مقصد تھا:
(الف) بصرہ پہنچنا (ب) اصل سخاوت پانا (ج) بادشاہی واپس لینا (د) فقیر سے بدلہ لینا (ب)

76۔ شہزادے نے درویشی کو سمجھا تھا:
(الف) سکون (ب) وقت کا ضیاع (ج) مصیبت (د) کچھ نہیں (الف)

77۔ کہانی کا مرکزی خیال ہے:
(الف) دولت (ب) سخاوت (ج) انا (د) بادشاہی (ب)

78۔ کہانی کے مطابق سخاوت ہے:
(الف) دل کا کام (ب) ہاتھ کا کام (ج) دولت کا کام (د) طاقت کا کام (الف)

79۔ کہانی کے مطابق سچی سخاوت کا معیار ہے:
(الف) دولت (ب) اخلاص (ج) نمود (د) طاقت (ب)

80۔ کہانی میں دکھایا گیا ہے:
(الف) انا کا خاتمہ (ب) دولت کی نمائش (ج) شاہی شان (د) کوئی نہیں (الف)

81۔ کہانی کا اخلاقی سبق ہے:
(الف) دولت کی اہمیت (ب) دکھاوے کی مذمت (ج) سفر کا فائدہ (د) بادشاہت (ب)

82۔ کہانی میں سخاوت کے دو رخ دکھائے گئے ہیں:
(الف) ظاہری و باطنی (ب) امیر و غریب (ج) بادشاہ و فقیر (د) عقل و دل (الف)

83۔ کہانی کا موضوع ہے:
(الف) دنیاداری (ب) روحانیت (ج) سیاست (د) کوئی نہیں (ب)

84۔ کہانی کا اختتام ہے:
(الف) پرامید (ب) افسوس ناک (ج) جذباتی (د) کوئی نہیں (الف)

85۔ دوسرے درویش کا قصہ سکھاتا ہے:
(الف) عاجزی (ب) تکبر (ج) دولت (د) بادشاہی (الف)

86۔ دوسرے درویش کا قصہ اسلوب کے لحاظ سے ہے:
(الف) حکایتی (ب) تاریخی (ج) ڈرامائی (د) سبھی (د)

87۔ شہزادے نے اپنا قصہ سنایا تھا:
(الف) آزاد بخت کو (ب) وزیر کو (ج) درویشوں کو (د) عوام کو (ج)

88۔ کہانی میں استعمال ہونے والا لہجہ ہے:
(الف) سنجیدہ (ب) مزاحیہ (ج) طنزیہ (د) جذباتی (الف)

89۔ فقیر کا کردار کہانی میں ہے:
(الف) سائل (ب) مصلح (ج) دشمن (د) کوئی نہیں (ب)

90۔ سخاوت کا صحیح مقام ہے:
(الف) دل (ب) ہاتھ (ج) زبان (د) کوئی نہیں (الف)

91۔ شہزادے کی زندگی میں تبدیلی آئی تھی:
(الف) آہستہ (ب) کبھی نہیں (ج) اچانک (د) دیر سے (ج)

92۔ شہزادے کی زندگی کا نیا باب شروع ہوا:
(الف) بصرہ سے (ب) فقیر کی نصیحت سے (ج) محل سے (د) سفر سے (ب)

93۔ شہزادے کے مطابق اصفہان کے لوگ فطری طور پر تھے:
(الف) سست (ب) روشن طبع (ج) جنگجو (د) سادہ (ب)

94۔ حاتم طائی کو ڈھونڈنے کی مہم بادشاہ نوفل نے شروع کی:
(الف) ذاتی دشمنی کی وجہ سے (ب) مشورے سے (ج) لالچ میں (د) غلط فہمی میں (الف)

95۔ لکڑہارے کی بیوی کی گفت گو سے جھلکتا ہے:
(الف) لالچ (ب) نفرت (ج) مجبوری (د) خوف (ج)

96۔ دربارِ نوفل میں حاتم کی سخاوت کا تذکرہ بنا:
(الف) وجہِ ہلاکت (ب) باعثِ حیرت (ج) ذریعۂ شہرت (د) سببِ رہائی (ب)

97۔ بصرہ کی بادشاہ زادی کا تذکرہ فقیر نے کیا بطور:
(الف) ایک مثال (ب) اپنی بیٹی (ج) اپنی استاد (د) اپنی ملکہ (الف)

98۔ شہزادے کے دل میں پیدا ہونے والی تڑپ کا نام ہے:
(الف) طلبِ صادق (ب) ہوس (ج) دکھاوا (د) تجسس (الف)

99۔ حاتم طائی کی مشہور ہے:
(الف) سخاوت (ب) بہادری (ج) دانائی (د) سبھی (د)

100۔ سائل ایران کے بادشاہ زادے سے مانگتے تھے:
(الف) اناج (ب) کپڑے (ج) اشرفیاں (د) مدد (ج)

101۔ شہزادے کو فقیر کا رویہ برا لگا:
(الف) تکبر کی وجہ سے (ب) سچائی کی وجہ سے (ج) بے ادبی کی وجہ سے (د) کوئی نہیں (الف)

102۔ سچی سخاوت کا پہلا زینہ ہے:
(الف) انا کا خاتمہ (ب) دولت بانٹنا (ج) سفر (د) کوئی نہیں (الف)

103۔ فقیر نے شہزادے کو سکھایا:
(الف) فقر (ب) سخاوت (ج) دونوں (د) کوئی نہیں (ج)

104۔ شہزادہ درویش بنا:
(الف) سچائی کی تلاش میں (ب) مایوسی کے سبب (ج) دولت کے لیے (د) کوئی نہیں (الف)

105۔ بصرہ کی بادشاہ زادی کی سخاوت تھی:
(الف) ظاہری (ب) باطنی (ج) دونوں (د) کوئی نہیں (ب)

106۔ شہزادے کے لیے حاتم طائی کی کہانی تھی:
(الف) سبق (ب) تفریح (ج) کہانی (د) کوئی نہیں (الف)

107۔ حاتم طائی کی سخاوت کا مقصد تھا:
(الف) دکھاوا (ب) خدا کی رضا (ج) سیاست (د) کوئی نہیں (ب)

108۔ فقیر کا مقصد تھا شہزادے کو:
(الف) راہِ راست پر لانا (ب) ذلیل کرنا (ج) دولت لینا (د) کوئی نہیں (الف)

109۔ شہزادے نے بصرہ جانے کا فیصلہ کیا:
(الف) فقیر کے مشورے پر (ب) خود (ج) وزیر کے کہنے پر (د) کوئی نہیں (ب)

110۔ سچی سخاوت کے لیے درکار ہے:
(الف) دل کی پاکیزگی (ب) بہت دولت (ج) شہرت (د) کوئی نہیں (الف)

111۔ کہانی کا ہیرو ہے:
(الف) شہزادہ (ب) فقیر (ج) حاتم (د) کوئی نہیں (الف)

112۔ دوسرے درویش کا قصہ انسانیت کو دیتا ہے:
(الف) سبق (ب) نصیحت (ج) دونوں (د) کوئی نہیں (ج)

113۔ سخاوت کا حقیقی مفہوم ہے:
(الف) بے لوث خدمت (ب) دکھاوا (ج) احسان جتانا (د) کوئی نہیں (الف)

114۔ سخاوت میں سب سے ضروری ہے:
(الف) مال (ب) اخلاص (ج) وقت (د) کوئی نہیں (ب)

115۔ کہانی کا مرکزی کردار ہے:
(الف) شہزادہ (ب) بادشاہ نوفل (ج) لکڑہارا (د) کوئی نہیں (الف)

116۔ شہزادے کے قصے کا لب لباب ہے:
(الف) انا کا خاتمہ (ب) سخاوت (ج) سفر (د) کوئی نہیں (الف)

117۔ دوسرے درویش کا قصہ ہے:
(الف) سبق آموز (ب) افسانوی (ج) دونوں (د) کوئی نہیں (ج)

118۔ کہانی ہمیں سکھاتی ہے:
(الف) خود پرستی کا خاتمہ (ب) عاجزی (ج) دونوں (د) کوئی نہیں (ج)

119۔ سخاوت ہے:
(الف) انسانیت کا حسن (ب) دولت کی نمائش (ج) احسان (د) کوئی نہیں (الف)

120۔ کہانی کا اخلاقی نقطہ ہے:
(الف) انا پرستی سے پرہیز (ب) سخاوت (ج) دونوں (د) کوئی نہیں (ج)

121۔ فقیر کا کردار ہے:
(الف) مثالی (ب) عام (ج) پیچیدہ (د) کوئی نہیں (الف)

122۔ دوسرے درویش کا قصہ ہے:
(الف) جدید ادب (ب) کلاسیکی ادب (ج) کوئی نہیں (د) دونوں (ب)